اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مئی ۲۰۲۴ء

مُدیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan May 2024

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات
	عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)	
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷
۴	یکساں قومی نصاب۔خدشات ومضمرات	۲۰۸
۵	تدریس القرآن، پارہ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۶۰
۶	تدریس القرآن، پارہ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ وطالبات	۴۸
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰
۹	اسلامی علوم میں تحقیق	۲۷۲
	طلبہ کی اسلامی تربیت	
۱۰	تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۷۲
۱۱	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت۔ہینڈ بک وگائیڈ	۱۶۰
	اصلاحِ دینی مدارس	
۱۲	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰
۱۳	نصابِ مدنی	۴۰
۱۴	مدرسہ ڈسکورسز۔مطالعہ وتجزیہ	۱۵۶
۱۵	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲
	اسلامی تحریکیں	
۱۶	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰
۱۷	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸
۱۸	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴
۱۹	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲
	تزکیۂ نفس	
۲۰	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳

نمبر شمار	کتاب	صفحات
۲۱	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)	۶۲
۲۲	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۲۳	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲۴	اسلام اور تعمیر سیرت	۴۰۴
	اسلام اور مغربی فکر وتہذیب	
۲۵	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۲۶	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۲۷	اسلام اور ردِّ فکرِ مغرب	۲۱۶
	تفہیم دین	
۲۸	مسلم نشاۃ ثانیہ۔اساس اور لائحہ عمل	۴۰۰
۲۹	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۳۰	رزم حق وباطل	۸۰
۳۱	اسلام اور پاکستان	۳۰۰
۳۲	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	۲۵۰
۳۳	مقالاتِ امین (جلد اوّل)	۶۷۶
۳۴	مقالاتِ امین (جلد دوم)	۶۴۲
	اللغة العربية	
۳۵	السلطة التشريعية _ دراسة مقارنة	۱۵۰
	English Books	
۳۶	Islamization of Laws in Pakistan	250
۳۷	Riyaz us Saliheen I & II	950
۳۸	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500

مکتبہ البرہان

136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

ای میل ermpak@hotmail.com

تدریس القرآن

سبق: ۴

قرآن حکیم کا ترجمہ سیکھنے کے لیے

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

اٰیاتھا ۲۸٦ — رُکوعاتھا ۴۰

وَمِنَ النَّاسِ	مَنۡ	يَّقُوۡلُ	اٰمَنَّا	بِاللّٰهِ	النَّاسِ	عوام الناس، عامۃ الناس
اور لوگوں میں سے بعض	جو	وہ کہتے ہیں	ایمان لائے ہم	اللہ پر	يَّقُوۡلُ	قیل وقال، اقوال، قول
اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم					اٰمَنَّا	ایمان، مومن، مؤمنین

وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ	وَمَا	هُمۡ	بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿8﴾	يُخٰدِعُوۡنَ	اللّٰهَ	بِمُؤۡمِنِيۡنَ	ایمان، مومن، مومنہ
اور آخرت کے دن پر	جبکہ نہیں	وہ	مومن	وہ دھوکہ دیتے ہیں	اللہ کو	الۡاٰخِرِ	آخرت، اخروی زندگی
آخرت پر جبکہ (درحقیقت) وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو							

وَالَّذِيۡنَ	اٰمَنُوۡا	وَمَا	يَخۡدَعُوۡنَ	اِلَّاۤ	اَنۡفُسَهُمۡ	وَمَا	اَنۡفُسَهُمۡ	نفس، نفوس، تنفس
اور ان کو جو	ایمان لائے	جبکہ نہیں	وہ دھوکہ دیتے	مگر	اپنے آپ کو	اور نہیں		
جو ایمان لائے ہیں جبکہ (درحقیقت) وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو، لیکن وہ								

يَشۡعُرُوۡنَ ﴿9﴾	فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ	مَّرَضٌ	فَزَادَهُمُ	اللّٰهُ	مَرَضًا	يَشۡعُرُوۡنَ	ذی شعور، شاعر، مشعر الحرام
وہ شعور رکھتے	ان کے دلوں میں	مرض ہے	پس بڑھا دیا ان کو	اللہ نے	مرض میں	فَزَادَهُمُ	زیادہ، مزید، زیادتی
شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں (نفاق کا) مرض تھا جسے اللہ نے بڑھا دیا ہے						مَرَضًا	مرض، مریض، امراض

وَلَهُمۡ	عَذَابٌ	اَلِيۡمٌ	بِمَا	كَانُوۡا	يَكۡذِبُوۡنَ ﴿10﴾	وَاِذَا	اَلِيۡمٌ	درد والم، المناک
اور ان کے لیے	عذاب ہے	المناک	بسبب جو	تھے	وہ جھوٹ بولتے	اور جب	يَكۡذِبُوۡنَ	کِذب وافتراء، مسیلمہ کذّاب
اور (حق کی) تکذیب کے سبب انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اور جب								

قِيۡلَ	لَهُمۡ	لَا	تُفۡسِدُوۡا	فِي الۡاَرۡضِ	قَالُوۡۤا	اِنَّمَا	قِيۡلَ	قیل وقال، قول، اقوال
کہا جاتا ہے	ان سے	نہ	تم فساد پھیلاؤ	زمین میں	وہ کہتے ہیں	بے شک	تُفۡسِدُوۡا	فساد، فسادات، مفسد، فسادی
ان سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ							قَالُوۡۤا	قول، اقوال، قیل وقال

نَحۡنُ	مُصۡلِحُوۡنَ ﴿11﴾	اَلَاۤ	اِنَّهُمۡ	هُمُ	الۡمُفۡسِدُوۡنَ	مُصۡلِحُوۡنَ	صالح، مصلح، مصلحین
ہم	اصلاح کرنے والے ہیں	خبردار	بے شک وہ	وہی	فساد کرنے والے ہیں	الۡمُفۡسِدُوۡنَ	فسادی، مفسد، فساد
ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار بے شک وہی فساد پھیلانے والے ہیں							بقیہ آخری صفحہ پر

وَلٰكِنْ	لَّا	يَشْعُرُوْنَ ﴿12﴾	وَاِذَا	قِيْلَ	لَهُمْ	اٰمِنُوْا	كَمَآ	يَشْعُرُوْنَ	ذی شعور، شاعر، شعر
اور لیکن	نہیں	وہ شعور رکھتے۔	اور جب	کہاجاتا ہے	ان سے	ایمان لاؤ	جیسا کہ	اٰمِنُوْا	ایمان، مؤمن، مومنات
لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم اس طرح ایمان لاؤ									

اٰمَنَ	النَّاسُ	قَالُوْٓا	اَنُؤْمِنُ	كَمَآ	اٰمَنَ	السُّفَهَآءُ ط	اٰمَنَ	ایمان، مؤمنین، مومنات
ایمان لائے	لوگ	وہ کہتے ہیں	کیا ہم ایمان لائیں	جیسا کہ	ایمان لائے	بے وقوف	اَنُؤْمِنُ	ایمان، مؤمن، مومنات
جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان								

اَلَآ	اِنَّهُمْ	هُمُ	السُّفَهَآءُ	وَلٰكِنْ	لَّا	يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾	وَاِذَا	يَعْلَمُوْنَ	علم، علوم، علماء، عالم، علامہ
خبردار	بے شک وہ	وہی	بے وقوف ہیں	اور لیکن	نہیں	وہ جانتے	اور جب		
لائے بیوقوف (لوگ)۔ خبردار وہی بے وقوف ہیں لیکن انہیں اس کا علم (ادراک) نہیں ہے									

لَقُوا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	قَالُوْٓا	اٰمَنَّا صلے	وَاِذَا	خَلَوْا	لَقُوا	ملاقات، ملاقاتی
وہ ملتے ہیں	ان سے جو	ایمان لائے	کہتے ہیں	ایمان لائے ہم	اور جب	وہ خلوت میں ہوتے ہیں	خَلَوْا	خلوت، خلا، بیت الخلا
اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں کہ ہم اہل ایمان ہیں اور جب								

اِلٰى	شَيٰطِيْنِهِمْ لا	قَالُوْٓا	اِنَّا	مَعَكُمْ لا	اِنَّمَا	نَحْنُ	شَيٰطِيْنِهِمْ	شیطان، شیطانی کام
طرف	شیطانوں ان کے	وہ کہتے ہیں	بے شک ہم	ساتھ ہیں تمہارے	بے شک	ہم		
وہ اپنے شیطان (ساتھیوں) سے ملتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں،								

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿14﴾	اَللّٰهُ	يَسْتَهْزِئُ	بِهِمْ	وَيَمُدُّهُمْ	مُسْتَهْزِءُوْنَ	خندہ واستہزاء، مستہزئین
مذاق کرتے ہیں۔	اللہ	مذاق اڑاتا ہے	ان کا	اور وہ ڈھیل دیتا ہے ان کو	يَمُدُّهُمْ	مدت، سمندر کا مدوجزر
ان (مسلمانوں) کے ساتھ تو ہم مذاق کرتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کی سرکشی میں						

فِيْ طُغْيَانِهِمْ	يَعْمَهُوْنَ ﴿15﴾	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اشْتَرَوُا	الضَّلٰلَةَ	طُغْيَانِهِمْ	دریا کی طغیانی
ان کی سرکشی میں	وہ بھٹکتے ہیں	یہ لوگ ہیں	جنہوں نے	خریدی	گمراہی	الضَّلٰلَةَ	ضلالت، ضالّ ومضلّ
انہیں ڈھیل دیتا ہے (اور) وہ بھٹک رہے ہیں۔ یہ (وہ) لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے							

بِالْهُدٰى ص	فَمَا	رَبِحَتْ	تِّجَارَتُهُمْ	وَمَا	كَانُوْا	مُهْتَدِيْنَ ﴿16﴾	تِجَارَتُهُمْ	تجارت، تاجر، تجار
بدلے ہدایت کے	پس نہیں	نفع لائی	تجارت ان کی	اور نہیں	وہ تھے	ہدایت یافتہ۔	مُهْتَدِيْنَ	ہدایت، ہادی
بدلے گمراہی خریدی لیکن ان کی تجارت نفع نہیں لائی اور نہ وہ ہدایت پاسکے۔								

جاری ہے

ماہنامہ
البرہان
لاہور
Since 2010

جلد ۲۸ شمارہ ۵

برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk

مئی ۲۰۲۴ء/شوال ۱۴۴۵ھ

آئینہ مضامین

☜ فکرونظر

- پاکستان میں احیائے اسلام: نئے منہج کی ضرورت — مدیر — ۴
- آج کی عید-غزہ کے نام — ۱۲

☜ تعلیم وتربیت

- تسہیل القرآن — مدیر — ۱۰
- فرد کی تعمیر اور سماجی تبدیلی: بذریعہ تعلیم وتربیت — پروفیسر ملک محمد حسین — ۱۳
- پاکستانی یونیورسٹیوں میں تحقیق — ڈاکٹر سفیر اختر — ۱۹
- مدرسہ ڈسکورس: عمار ناصر کے کارنامے — عامرہ احسان — ۲۲
- دنیا کی انوکھی لائبریری — پروفیسر عاصم حفیظ — ۳۰

☜ تزکیۂ نفس

دنیا اور دولت کے بارے میں صحیح طرزِ عمل — حافظ محمد موسیٰ بھٹو — ۳۲

☜ تفہیم دین

- پاکستان اور اسلام کا مجوزہ سیاسی نظام تبصرے، تجاویز..... اور ہمارا موٴقف — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۳۵
- مدیر البرہان بزدل ہے قادیانیوں کے بارے میں جاوید غامدی وعمار ناصر کا موٴقف — پروفیسر عبدالرحمٰن — ۴۳
- جدیدیت وفرقہ واریت کی بجائے امت کی نشأۃ ثانیہ — ڈاکٹر طفیل ہاشمی — ۴۷
- خدا اور حجام — ادارہ — ۵۰

☜ تفہیم مغرب

جمہوریت کی حقیقت — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۵۱

☜ ملی مجلس شرعی

مساجد ومدارس پر حکومتی قبضہ — ملی مجلس شرعی — ۶۶

مدیر

ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر

محمد یحییٰ رشید، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0300-4107282)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِاعانت: فی شمارہ 85روپے
سالانہ 1000روپے۔ پانچ سال: 5000روپے
تاحیات 20,000روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

فکر و نظر مدیر

بیا تا کارِ ایں امت بسازیم

پاکستان میں احیائے اسلام — نئے منہج کی ضرورت

موجودہ دینی جدوجہد، خصوصاً دیوبند اور جماعت اسلامی، کی تحریکوں کا
غیر متوازن اور غیر مؤثر ہونا ثابت ہو چکا
نیا منہج پیش خدمت ہے۔ اس کے مطابق کام کرنا احیائے اسلام کا ناگزیر تقاضا ہے

ہم اس موضوع پر کوئی پہلی دفعہ قلم نہیں اٹھا رہے لیکن دیوبند تحریک ڈیڑھ صدی پرانی ہے اور جماعت اسلامی کی تحریک کو ایک صدی ہونے والی ہے مطلب یہ کہ ان تحریکوں کا معاشرے پر اثر بہت گہرا ہے اور ان کے بانیوں کے بھاری بھرکم نام لوگوں کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہیں اور ہماری بات کو لوگ سنجیدگی سے لے ہی نہیں رہے لہٰذا ہمیں اپنی بات بار بار کہنی پڑے گی، اسلوب بدل بدل کر کہنی ہوگی تا آنکہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور ہمارے پیش کردہ متبادل پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر ایک وقت آئے گا، اگر اللہ کو منظور ہوا تو، کہ لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں گے اور اس کی طرف لپکیں گے، ان شاء اللہ۔

دیوبند کا لفظ غالباً ہم نے پہلی دفعہ استعمال کیا ہے اس سے پہلے ہم تبلیغی جماعت اور دینی مدارس کا ذکر الگ الگ کرتے رہے ہیں جو ظاہر ہے ایک ہی بات ہے اور فرق صرف تسمیات کا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ہم دیوبند اور جماعت اسلامی کی تحریک کا تجزیہ کرتے ہیں اور ان پر تنقید کرتے ہیں تو اس سے مقصود نہ ان کی خوبیوں کا انکار ہوتا ہے اور نہ ان کی تنقیص اور ہوا خیزی ہمارے پیش نظر ہوتی ہے۔ ان تحریکوں کے جلیل القدر بانیوں کی عظمت کا انکار بھی ہم نہیں کرتے بلکہ ہم اپنے قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ان تحریکوں نے احیائے اسلام کے حوالے سے جو مثبت اثرات برصغیر اور خصوصاً پاکستانی معاشرے میں پیدا کرنے چاہے تھے، وہ یہ کام کر چکیں اور ان کی مزید پیش رفت رُک چکی اور عصر حاضر کے چیلنجز کے اعتبار سے ان کے کام کی جو Limitations تھیں، ان کے کام کی جو خامیاں تھیں، وہ انہیں دور نہیں کر سکیں۔ اور نہ وہ انہیں دور کرنے کے لیے تیار ہیں لہٰذا ہم پاکستان میں

احیائے اسلام کے داعی اس امر پر مجبور ہیں کہ متبادل منہج پر غور کریں۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہم دیوبند کا ذکر یہاں بطور مسلک اور فقہی وکلامی مکتبِ فکر کے نہیں کر رہے کیونکہ اس لحاظ سے مولانا احمد رضا خان اور بریلی مکتب فکر اور اہلحدیث مکتبِ فکر کی بعض نمایاں خدمات سے انکار ممکن نہیں بلکہ دیوبند کا ذکر ہم یہاں بطور ایک فکری تحریک کے کر رہے ہیں۔

کام جو پیشِ نظر تھا

امت کے زوال خصوصاً ۱۹۲۴ء میں اس کے علامتی ادارے ’خلافت‘ کے سقوط کے بعد جو مہم امت کے اہل علم اور مصلحین کو درپیش تھی وہ یہ تھی کہ امت کو اس زوال سے نکالا جائے۔ اس کام میں دو رکاوٹیں تھیں ایک داخلی اور دوسری خارجی۔ داخلی رکاوٹ یہ تھی کہ افرادِ امت کا ایمان کمزور تھا جو نتیجہ تھا غلط نظامِ تعلیم وتزکیہ اور عقائد پر غیر پختہ یقین کا جس کی وجہ سے ان سے اعمال صالحہ کا صدور ممکن نہ رہا اور ان کی شخصیت کی تعمیر صحیح خطوط پر نہ ہوسکی۔

دوسری رکاوٹ تھی مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے غلبہ کی جس نے مسلم معاشرے کو اور اس کے پورے سٹرکچر کو اسلامی بنیادوں سے محروم کردیا اور اپنی فکری وتہذیبی بنیادوں پر ان کی زندگی کے سارے شعبوں کی تشکیلِ نو کر کے انہیں اپنا فکری اور عملی غلام بنالیا۔

کام جو کیا گیا

تبلیغی جماعت اور دینی مدارس

ان دو بڑے فکری وعملی چیلنجز کا جو جواب روایتی علماء کرام نے دیا، وہ یہ تھا کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء میں کافر انگریز حکومت کے خلاف جہاد کی ناکامی کے بعد خود کو تعلیم وتزکیہ تک محدود کرلیا اور مسلم ہندوستان کے مرکز میں مسلم اکثریتی علاقے میں دیوبند کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس میں حضرت شیخ الہندؒ کے بعد آنے والوں سے یہ سہو ہوا کہ انہوں نے انگریز کے خلاف عملی مزاحمت کی ناکامی کے بعد، اپنے پاس آنے والی نسل کو، علمی وفکری مزاحمت سے بھی محروم رکھا اور انہیں سارے دین کی تعلیم دینے کی بجائے صرف دین کے بعض ضروری اجزاء کی تعلیم دینی شروع کردی۔ اگرچہ اپنی اس حکمتِ عملی کے لیے ان کے پاس کچھ عذر بھی

تھے (جیسے : ۱۔انہیں غیر مسلم حکومت کو ریاست چلانے کے لیے افراد مہیا نہ کرنے تھے۔ ۲۔انہیں مسلمانوں کو کم ازکم بنیادی دینی وسماجی رسوم کی ادائیگی کے لیے افرادِ کار مہیا کرنا تھے [جیسے مساجد میں نماز ادا کرنا یا غم وخوشی کے مواقع پر اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا جیسے نکاح، طلاق، جنازہ وغیرہ کی رسوم] ۳۔حکومت چھننے کے بعد اور انگریز حکومت کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی کمزور مالی حالت اور مادی وسائل کا ناپید ہونا وغیرہ)۔

اس ناقص اور جزوی دینی فکری روش پر چلنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں اس سسٹم سے پیدا ہونے والے علماء نے اس حکمتِ عملی کو عین دین سمجھ لیا۔ چنانچہ اسی دیوبند کے فیض یافتہ مولانا محمد الیاسؒ نے جب عامۃ الناس کی اصلاح کے لیے ایک عوامی اصلاحی تحریک ’’تبلیغی جماعت‘‘ کے نام سے شروع کی تو یہی جزوی تصورِ دین ان کے بھی پیش نظر تھا اور قیامِ پاکستان کے بعد اب یہ اصلاحی تحریک سارے عالم میں پھیل چکی ہے بلکہ عالم اسلام کی سب سے بڑی دینی تحریک ہے تو اس کے لائحہ عمل میں دونوں مذکورہ خامیاں موجود ہیں۔ اور یہی حال پاکستان بھر میں پھیلے ہوئے پچیس تیس ہزار دیوبندی دینی مدارس کا ہے۔ بلکہ دیوبند نے قدیم اور اولین ادارہ ہونے کی وجہ سے رول ماڈل کی حیثیت اختیار کر لی اور دوسرے مسالک ومکاتب فکر کے علماء نے بھی جتنے دینی مدارس قائم کیے ہیں (بشمول جماعت اسلامی) وہ دیوبند کے طے کردہ خطوط سے باہر نہیں نکل سکے، اس کے باوجود کہ ان دینی مدارس کے چلانے والے علماء کرام اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ان کا اختیار کردہ ’’درس نظامی‘‘ اس درس نظامی کے بھی مطابق نہیں ہے جو ملا نظام الدین سہالویؒ نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے آخر میں مرتب کیا تھا اور اس نظامِ تعلیم کے بھی خلاف ہے جو بارہ صدیوں تک مسلم معاشرے میں نافذ رہا ہے لیکن وہ اکابر کی اندھی تقلید میں مکھی پر مکھی مارے جا رہے ہیں اور اس امر پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ان کی اس روش پر استمرار کی وجہ سے وہ ایسے افراد تیار نہیں کر پا رہے جو پاکستان کی اسلامی ریاست کو درکار ہیں (گویا وہ پاکستان میں عدم نفاذِ شریعت کے ذمہ دار ہیں)، وہ ملّا اور مسٹر کی تفریق کو مستحکم کر رہے ہیں اور سیکولرزم کو فروغ دے رہے ہیں۔ وہ پاکستان میں مغرب کے الحادی افکار کے پھیلاؤ کی ذمہ داری سے بھی بری الذمہ نہیں ہو سکتے اور یہ دینی مدارس مسلک پرستی اور فرقہ واریت کے زہر کو پھیلانے میں بھی کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور مغرب کی الحادی

فکر وتہذیب کو ردّ کرنا تو ان دینی مدارس اور تبلیغی جماعت کو ایسے بھول گیا ہے جیسے ان کے بزرگوں نے اس کے خلاف جہاد کبھی کیا ہی نہ تھا۔ یہ تو حال ہے تبلیغی جماعت اور دینی مدارس کا، آیئے اب جماعت اسلامی کی تحریک کا جائزہ لیتے ہیں۔

تحریکِ جماعت اسلامی

جدید دینی تحریکوں میں اگرچہ زمانی لحاظ سے مصر کی الاخوان المسلمون کو جماعت اسلامی پر تقدم حاصل ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جدید دینی تحریکوں کو فکری بنیادیں مولانا مودودیؒ نے مہیا کی ہیں۔ ان کے ہاں جدید مسائل سے نمٹنے کا اسلامی شعور قوی بھی ہے اور انہوں نے ایک خاص لے میں اور ایک خاص حد تک مغرب پر تنقید بھی کی ہے لیکن مولانا مودودیؒ کی فکر کا گہرا مطالعہ ہم پر یہ واضح کرتا ہے کہ وہ بدقسمتی سے شروع ہی سے مغربی فکر کے غلبے کے ردّعمل کا شکار ہو گئے اور ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مغرب کے سیاسی غلبے کا جواب اسلام کا سیاسی غلبہ اور اسلامی ریاست کا قیام ہے۔ اس کے لیے انہوں نے اسلام کی ایسی تعبیر نو کی کہ اسلام کا بنیادی نصب العین اور ہدف اسلامی ریاست اور اسلامی نظام کو قرار دے دیا بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ انہوں نے اسلام اور اس کے سیاسی غلبے کو مترادف قرار دے دیا۔ یہ فکر چونکہ اپنی بنیاد میں اسلام کی حقیقی سپرٹ کے مطابق نہ تھی اور نہ امت کے چودہ سو سالہ فہمِ دین کے مطابق تھی لہٰذا جمہور علماء نے مولانا اور جماعت کے اس تصور دین کو ردّ کر دیا اور یوں ان کا اثر پاکستان کے بڑے شہروں کے پڑھے لکھے طبقے تک محدود رہا اور عوام الناس تک نہ پہنچ سکا اور نہ ان کے دلوں میں گھر کر سکا۔ اس طرح انہوں نے جس جمہوریت کو احیائے اسلام، نفاذِ شریعت اور اقامت دین کی سیڑھی بنانا چاہا، اس میں بھی وہ ناکام ہو گئے۔ یوں سید مودودی کی اقامتِ دین کے لیے اٹھائی گئی تحریک خود ان کے ہاتھوں پہلے ایک سیاسی جماعت بنی اور پھر سیاست میں بھی ناکام ہو گئی اور اب لبِ دم ہے۔ اگرچہ مولانا مودودیؒ نے جس جدید عقلی اسلوب میں اسلام کو پیش کیا ہے اس نے نہ صرف پاکستان میں بلکہ سارے عالم اسلام میں اور بیرونی دنیا میں انہوں نے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچا ہے اور جماعت اسلامی کے باہر بھی دینی تحریکوں کو سیاسی تناظر میں جدوجہد پر اُبھارا ہے۔

کام جس طرح ہونا چاہیے تھا

ہم نے اپنے عہد کی دو بڑی دینی تحریکوں دیوبند اور جماعت اسلامی کی کارکردگی کا غیر جانبداری سے تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اگرچہ ان دونوں تحریکوں کے مثبت اثرات بھی بہت ہیں لیکن ان کی جدوجہد کا حاصل یہی ہوا کہ ان دونوں کے تصور دین کے ناقص اور جزوی ہونے کی وجہ سے وہ پیش نظر دونوں چیلنجز سے نبرد آزما ہونے میں اور احیائے اسلام کی منزل کی طرف مزید پیش قدمی کرنے سے قاصر ہیں اور امت کے اہل علم وصلاح کسی متبادل لائحہ مل کی تلاش میں ہیں/ یا کم از کم انہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے نزدیک جو کام ہونا چاہیے وہ یہ ہے:

ایک: عامۃ المسلمین کی اصلاح ان خطوط پر ہو کہ اصلاحِ تعلیم وتزکیہ سے اسلامی عقائد پر پختہ یقین پیدا ہو اور ایمان کی پختگی سے ان کی شخصیت کی تعمیر اس طرح ہو کہ وہ اسلامی تعلیمات پر کما حقہ عمل کر پائیں اور ان سے اعمال صالحہ کا صدور ہو سکے گویا ان میں صلاحیت اور صالحیت کا اجتماع ہو۔ فرد کی ایسی تعمیر اگر ہو جائے کہ معاشرے اور ریاست کو بھی اسلامی خطوط پر چلانا ان کے دین وایمان کا حصہ ہو تو لامحالہ فرد، معاشرہ اور ریاست تینوں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مستعد ہو جائیں گے اور ان شاء اللہ مسلمان دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی راہ پر چل پڑیں گے۔

دوم: سطور بالا کے ایک نمبر میں اسلام کے جس صحیح تصور پر عمل کا نقشہ کھینچا گیا ہے یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کو ردّ نہ کر دیں، اس کی مرعوبیت سے نہ نکلیں، اس کی پیروی کو ٹھکرا نہ دیں بلکہ اس کے غلبے کو چیلنج کریں، اسے ردّ کر دیں اور اس کے مقابلے میں دنیا کے سامنے اسلام کو ایک متبادل نظامِ فکر اور نظامِ حیات کے طور پر پیش کریں۔ عقلی طور پر دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیں اور عملاً انہیں کر کے دکھا دیں کہ اسلامی فرد، معاشرہ اور ریاست کیسی ہوتی ہے۔

معاف کیجیے گا! یہ دونوں کام نہیں ہوئے اور نہ ہی ہو رہے ہیں لیکن یہ ہونے چاہئیں۔ ان کے بغیر احیائے اسلام ممکن نہیں۔ ان کے بغیر مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی ممکن نہیں۔

پس چہ باید کرد

توحل کیا ہے؟ حل یہ ہے کہ ایک اصلاحی تحریک اُٹھے جو مذکورہ دونوں تحریکوں (دیوبند اور جماعت اسلامی) کی خامیوں سے پاک ہو اور دونوں کی خوبیوں کی جامع ہو۔ تعمیرِ فرد کے صحیح رُخ میں کام کا پہلا قدم اٹھایا ہی نہیں جاسکتا جب تک ایسا نظام تعلیم وتزکیہ (دعوت ومیڈیا) قائم نہ کیا جائے جو اسلامی عقائد پر پختہ یقین پیدا کرے، جو قلوب واذہان میں رچ بس جائے، جس سے ایمان قوی ہو جائے اور فرد سے اعمالِ صالحہ کا صدور ہونے لگے اور مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کو ردّ کر کے اس کے اسلامی متبادلات پر عمل کرنے پر یکسوئی پیدا کی جائے۔ فرد کی ان خطوط پر تعمیرِ سیرت وکردار ایسے افراد پیدا کرے گی جو نہ صرف اپنی ذاتی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر کماحقہ عمل کریں گے بلکہ معاشرے اور ریاست کے اسلامی خطوط پر چلانے میں بھی اپنا کردار ادا کریں گے اور مغربی اصول واقدار کو اپنانے کا نہیں سوچیں گے۔ یوں ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں مسلمان رات کو مصلے کو بھگوئیں اور دن میں اعلائے کلمۃ اللہ کے پھریرے لہرائیں۔ یہ ماضی میں ہو چکا، یہ اب بھی ہوسکتا ہے ۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اس لیے ہم پاکستان میں دین کا درد رکھنے والے احباب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری گزارشات پر غور فرمائیں اور اگر انہیں ہماری رائے سے اتفاق ہو تو ہم سے رابطہ فرمائیں تاکہ مل جل کر اس کام کو کرنے کا سوچا جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العلمین۔

تسہیل القرآن
فہم قرآن کے لیے

٭قرآن کریم کی عربی عبارت کا مفہوم اُردو زبان میں اتنی وضاحت کے ساتھ کہ تفسیر کی ضرورت نہ پڑے
٭جمہور مفسرین کی راہ سے نکلے بغیر
٭ زائد الفاظ نسخ میں دیے گئے ہیں

سورۃ البقرہ آیت (۱۹-۲۵)

منافقین کی دوسری مثال

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿19﴾

یا ان منافقین کی مثال ایسی ہے جیسے بارش برس رہی ہو، کالی گھٹا سے ہر سو ندھیرا چھایا ہوا ہو اور گرج و چمک ہو۔ بجلی کی کڑک سے سہم کر یہ انگلیاں کانوں میں دیئے لیتے ہیں کہ کہیں ان کو موت نہ آلے حالانکہ یہ بچ نہیں سکتے کیونکہ اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُوۡا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿20﴾

بجلی کی کڑک سے انہیں یوں لگتا ہے کہ وہ ان کی بینائی اچک لے گی۔ بجلی کی چمک سے جب کبھی روشن ہوتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت سلب کر لیتا کہ وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔

عام انسانوں سے خطاب

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۙ﴿21﴾

اے لوگو عبادت و اطاعت کرو اپنے ربّ کی:
٭ جس نے پیدا کیا تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو کہ تم زندگی اللہ کی تعلیمات کے مطابق گزارو۔

الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ

٭ جس نے تمہارے لیے زمین کو ہموار فرش بنایا اور آسمان کو چھت۔

وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿22﴾

* جس نے تم پر اوپر سے بارش برسائی اور اس سے ہر طرح کے پھل اور اجناس تمہارے کھانے کو پیدا کیے۔ لہٰذا یہ سب جاننے کے بعد اللہ کی عبادت و اطاعت میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿23﴾

اور اگر تمہیں اس میں کوئی شک ہے کہ یہ قرآن جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے، ھمارا نازل کردہ نهیں ھےتو اس جیسی ایک سورت بنا کر دکھادو بلکہ، اللہ کے سوا، اپنے سارے حمایتیوں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو!

انکارِ حق کی سزا

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿24﴾

اور اگر تم یہ نہ کر پاؤ اور ہرگز نہ کرسکو گے تو ڈرو جهنم کی اس آگ سے جس کا ایندھن ہوں گے انسان اور یه پتھر جنهیں تم پوجتے ھو۔ اور جو تیار کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے۔

قبولِ حق کی جزاء

وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿25﴾

اور اے پیغمبر! خوشخبری دے دو ان کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ ان کے لیے ہوگی آخرت میں:

* ایسی جنت جس میں چشمے بہتے ہوں گے۔
* ہر طرح کے پھل جو دنیا کے پھلوں کی طرح کے ہوں گے تاکہ وہ ان سے موانست محسوس کریں کہ اس طرح کے پھل تو ہم نے پہلے بھی کھائے ہیں۔
* اور مردوں کے لیے پاکیزہ بیویاں اور عورتوں کے لیے پاکیزہ خاوند
* اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

یکم شوال ۱۴۴۵ھ/ ۱۰/اپریل ۲۰۲۴ء

آج کی عید-غزہ کے نام

تشنہ لبی

اگر مَیں شاعر ہوتا تو پُر درد نوحے اور مرثیے لکھتا

اگر مَیں ادیب ہوتا لفظوں کے دریا بہا دیتا

لیکن مَیں نہ شاعر ہوں نہ ادیب

ہاں! لیکن مجھے اتنا پتا ہے کہ آج عید ہے اور مَیں خوش نہیں ہوں

غزہ کے نوجوانوں کے تڑپتے لاشے، ماؤں کی آہیں ، بیواؤں کی سسکیاں، بلکتے بچوں کے نالے۔

مجھے خوش نہیں ہونے دیتے

مجھے سکون سے سونے نہیں دیتے

امت کے مغرب زدہ حکمران بے حس ہیں، بے حمیت ہیں

ان سے زیادہ بے حس ، بے حمیت وہ عوام ہیں جو ان حکمرانوں کو سروں پہ لادے ہوئے ہیں

اور ان سب سے زیادہ بے حس اور بے حمیت مَیں ہوں

جو یہ الفاظ لکھ کر سوچ رہا ہوں

کہ مَیں نے اہل غزہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسین

فرد کی تعمیر اور سماجی تبدیلی۔ بذریعہ تعلیم و تربیت

چند عملی تجاویز

انسانی معاشرے کی اکائی فرد ہے۔ معاشرے کو تبدیل کرنا ہے اور اس تبدیلی کو حقیقی اور دیر پا بنانا ہے تو فرد کو تبدیل کرنا ہوگا۔ فرد کی تبدیلی تعلیم و تربیت سے ہی ممکن ہوتی ہے لہٰذا ہمیں تعلیم و تربیت کے نظام اور اس نظام کو روبہ عمل لانے والے تعلیمی اور تربیتی اداروں پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔

فرد کی تعمیر یا بالفاظِ دیگر فرد کی تعلیم و تربیت سے حاصل ہونے والے مطلوب فرد کا ہمارا تصور یہ ہے کہ وہ:

۱۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان (”اقرار باللسان و تصدیق بالقلب“) رکھتا ہو۔

۲۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی نظریۂ حیات اور اس کے تقاضوں کو سمجھتا ہو۔

۳۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی نظریۂ حیات کے تقاضوں کو استطاعت بھر اپنی عملی زندگی کا حصہ بنائے ہوئے ہو۔

۴۔ مسلمانوں سے خصوصاً اور تمام انسانوں کے لیے عموماً محبت، ہمدردی، رواداری اور مددگاری کا جذبہ رکھتا ہو۔

۵۔ حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہو نیز اقوامِ عالم اور ان کے مکینوں کے لیے بھی خیر کے جذبات سے لبریز ہو۔

۶۔ کامیاب اور پُر مسرت زندگی گزارنے کی صلاحیتوں اور مہارتوں کو اپنی استطاعت

اور رجحانِ طبع کے مطابق حاصل کر چکا ہو۔

۷۔زبان و بیان کی ایسی صلاحیتوں کا حامل ہو جن کو کام میں لا کر اپنے خیالات موثر طریقے سے دوسروں تک پہنچا سکے اور اس طرح اپنے نظریہ حیات یعنی اسلامی نظریۂ حیات کی ترویج وابلاغ کر سکے۔

ملک میں تعلیم و تربیت کے موجودہ وسائل

اس وقت وطنِ عزیز میں فرد کی تعمیر اور تعلیم و تربیت (اچھی یا بُری، غلط یا ٹھیک) کے لیے جو ادارے کام کر رہے ہیں ان کا ایک اجمالی نقشہ اس طرح بنتا ہے:

(i) تین لاکھ سے زیادہ پرائمری، مڈل اور ہائی سکول ہیں۔

(ii) پانچ ہزار سے زیادہ کالجز کام کر رہے ہیں۔

(iii) ڈیڑھ سو سے زیادہ انسٹی ٹیوٹس اور یونیورسٹیاں اعلیٰ تعلیم کے میدان میں روبہ عمل ہیں۔

(iv) بیس ہزار سے زیادہ دینی مدارس دین کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

(v) تین لاکھ سے زیادہ مساجد میں جمعہ کے روز بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کے لیے خطبۂ جمعہ کی شکل میں دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوتا ہے۔

(vi) ایک سو سے زیادہ ٹی وی چینلز اپنی دیگر ابلاغی سرگرمیوں کے ساتھ تعلیم و تربیتِ عامہ کے پروگرامز بھی نشر کرتے ہیں۔

(vii) سیکڑوں دینی رسالے شائع ہو رہے ہیں اور درجنوں روز ناموں میں دینی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔

(viii) فہم دین، درسِ قرآن اور درسِ حدیث کے نام پر ملک میں ہر روز ہزاروں نشستیں ہوتی ہیں۔

(ix) کتاب میلوں میں جائیں تو نظر آتا ہے کہ سب سے زیادہ کتابیں دینی موضوعات پر شائع ہو رہی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت کا مذکورہ وسیع نظام ہونے کے باوجود مطلوب افراد تیار کیوں نہیں ہو رہے؟ جھوٹ، خیانت، چور بازاری، رشوت، نااہلی، ڈاکے اور راہ زنی، کرپشن اور بدانتظامی، دنگا فساد، انتہا پسندی اور دہشت گردی کا معاشرے میں دَور دورہ ہے۔ یہ درست ہے کہ معاشرے میں خیر کی قوتیں بھی موجود ہیں۔ نیکی اور شرافت کا چلن بھی نظر آتا ہے۔ صحیح سوچ اور درست نظریات کے حامل لوگوں سے معاشرہ خالی نہیں ہے لیکن معاملہ زیر دستی اور بالا دستی کا ہے۔ اول الذکر رویوں کے حامل لوگ معاشرے میں بالا دست نظر آتے ہیں جب کہ ثانی الذکر رویوں (مثبت اور اچھے رویوں) کے حامل لوگ کم ہیں، کم فعال ہیں بلکہ بے بسی کا شکار ہیں۔

اس صورتِ حال میں کیا کیا جائے؟

نئے سکول، کالج، یونیوسٹیاں، دینی مدارس اور ٹی وی چینلز کھولنے کی بجائے موجود اداروں کے لیے خیر اور اصلاح کا کام کیا جائے۔ اگر وسائل میسّر ہوں تو رول ماڈل کے طور پر نئے سکول، کالج، یونیورسٹی، دینی مدارس اور ٹی وی چینل قائم کرنے میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے تاکہ ایسے ادارے وہ کچھ کر کے دکھائیں جس کا ہم خواب دیکھتے ہیں۔ ساتھ ہی موجود اداروں کے لیے راہنمائی کا کوئی انتظام کیا جائے تو تدریجاً مطلوبہ نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہماری فوری تجاویز حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ سکولوں کے لیے خصوصاً اور اگر ہو سکے تو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لیے بھی ہم نصابی سرگرمیوں پر مبنی ایک تربیتی پیکج تیار کیا جائے اور اداروں کے منتظمین کو اس امر پر مائل (Convince) کیا جائے کہ وہ مذکورہ پیکج کو اپنے ہاں نافذ کریں۔ ضرورت ہو تو ان کی مدد اور رہنمائی بھی کی جائے۔

۲۔ تربیت اساتذہ کا ایک پیکج تیار کیا جائے جس کے ذریعے اساتذہ کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے شاگردوں کے سیرت و کردار کی تعمیر کا کام اپنے روزمرہ اسباق کا حصہ بنائیں۔

۳۔اسلامی نظریہ سے سرشار درسی کتب تیار کی جائیں اور جو ادارے ان کتب کو اپنے ہاں رائج کریں انہیں خصوصی پیشہ ورانہ معاونت مہیا کی جائے۔

۴۔سوشل سائنسز میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے محققین کے لیے اسلامی تناظر میں تیار کیے گئے تحقیقی موضوعات (Research Topics) تجویز کیے جائیں اور ریسرچ گائیڈز کے طور پر کام کرنے والے یونیورسٹی پروفیسرز کے ذریعے ان موضوعات پر کام کرایا جائے۔ اس طریقے سے ایک طرف تو محققین میں اسلامی تحقیقی سوچ پیدا ہوگی اور دوسری طرف اسلامی تناظر میں تحقیق پر مبنی نیا علم مدون ہوگا جو آگے چل کر سوشل سائنسز میں لکھی جانے والی کتب کو لوازمہ فراہم کرے گا۔

۵۔ ٹی وی چینلز کو ایک طرف اس بات پر مائل کیا جائے کہ وہ کم از کم دینی اور تعلیمی پروگرامز میں کمرشل وقفے نہ کریں اور ساتھ ساتھ انہیں فحاشی وعریانی پر مبنی پروگرامز اور کمرشلز سے اجتناب کی درخواست کی جائے۔ٹی وی چینلز کو بہتر قسم کے تعلیمی،تربیتی اور دینی پروگرامز بھی تجویز کیے جائیں،خصوصاً بچوں کے لیے اسلامی کارٹون پروگرام جن میں اسلامی حدود وقیود کا خیال رکھا گیا ہو۔

۶۔جمعہ کے خطبات کے موضوعات اور ان کے لیے لوازمہ بھی تیار کیا جائے اور خطیب حضرات کو اُن کے اساتذہ کے ذریعے اپروچ کر کے بہتر اور مفید انداز میں خطبۂ جمعہ دینے کی درخواست کی جائے۔

۷۔قصبات اور شہروں کی سطح پر بزرگ مقررین کی فہرستیں بنائی جائیں اور ان بزرگوں کے ذریعے سکولوں کی مارننگ اسمبلی میں صباحی خطابات کا انتظام کیا جائے تاکہ بچوں کی اسلامی ذہنی تربیت ممکن ہو سکے۔

مندرجہ بالا تمام مجوزہ اقدامات پر عمل درآمد ترجیحات طے کرتے ہوئے تدریج کے ساتھ کیا جائے۔میکرو لیول (Macro Level) کی بجائے مائیکرو لیول (Micro Level) پر کام کرتے ہوئے اور نتائج ومشکلات کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھا جائے۔

ایک اعلیٰ اسلامی تعلیمی ادارے کی ضرورت

جدید یونیورسٹیوں اور دینی مدارس میں درجاتِ تخصص کا قیام اور اسلامی علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم وتحقیق کا بندوبست وقت کی ایک ایسی اہم ضرورت ہے جس کی اہمیت اور فوری نوعیت کے بارے میں دورائیں نہیں ہوسکتیں۔ تخصص کے یہ مطلوب شعبے علوم القرآن، علوم الحدیث، فقہ و اصول فقہ، درس و تدریس اور تربیت، معاشیات، سماجیات، انسانیات، نفسیات، انتظامیات، سیاسیات، عالمیات ہیں جن پر اسلامی تناظر میں کوئی اطمینان بخش تعلیمی اور تحقیقی کام نہیں ہو رہا۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ جدید وقدیم علوم میں آگے بڑھے بغیر ممکن ہی نہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک اعلیٰ سطح کا اسلامی تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جس میں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کی تعلیم ہو اور جس کے نمایاں مقاصد حسبِ ذیل ہوں:

۱۔ بنیادی اسلامی علوم (تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، اسلامی معاشیات) کے اعلیٰ مضامین کی تدریس کے لیے ایسے اساتذہ اور محققین کی تیاری جو ان مضامین کی اعلیٰ سطح پر کماحقہ تعلیم دے سکیں اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ (بشمول ماڈرن یونیورسٹیاں اور دینی مدارس) کو آنے والے چیلنجز اور خطرات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر سکیں۔

۲۔ ایسے علمائے کرام اور فاضل محققین کی تیاری جو ملکی جامعات اور عصری تعلیمی اداروں میں عصری علوم خصوصاً سوشل سائنسز، بزنس اینڈ کامرس، انتظامیات وسیاسیات کی تعلیم اسلامی تناظر میں دے سکیں۔

۳۔ ایسے اہل علم اور اصحابِ تخصص کی تیاری جو اسلامی علوم کے بارے میں پیدا کی جانے والی بدگمانیوں اور اسلامی عقائد واحکام کے بارے میں کیے جانے والے اعتراضات کا مدلّل جواب دے سکیں۔

۴۔ ایسے اہل علم کی تیاری جو اپنی عمیق دینی مہارت کی بنیاد پر مغربی علوم وفنون کا ناقدانہ جائزہ لے سکیں اور مغربی افکار وتصورات کا اسلامی نظریہ حیات کی روشنی میں تنقیدی مطالعہ کر کے ان کے رطب و یابس کو الگ کر سکیں۔

یہ ادارہ لازماً کل وقتی اور رہائشی ہوگا تا کہ طلبہ زیادہ سے زیادہ وقت پڑھنے سیکھنے اور تحقیق کرنے میں گزار سکیں۔ ڈگری کا حصول ثانوی مقصد ہوگا جب کہ علم اور صلاحیت کا حصول بنیادی مقصد قرار پائے گا۔ مذکورہ ادارے میں داخلہ صلاحیت، ذہانت، رحجانِ طبع اور دلچسپی کی بنیاد پر ہوگا جس کا اندازہ معروضی آزمائشوں سے لگایا جائے گا۔ کسی طالب علم کی مالی استطاعت میں کمزوری کو رکاوٹ نہیں بننے دیا جائے گا۔ امید ہے صاحبِ ثروت حضرات و خواتین اس کارِ خیر میں کھلے دل کے ساتھ معاونت کریں گے۔ اگر تعلیم، تحقیق اور تدریس کی صلاحیتیں اور انفاق فی سبیل اللہ کی طاقت یکجا ہو جائیں تو ان شاء اللہ یہ قدم اسلامی نشاۃِ ثانیہ کی طرف اُٹھنے والا پہلا قدم ہوگا۔

یہ سب کچھ کون کرے گا؟

ہمارے پاس تحریک اصلاحِ تعلیم کے حوالے سے ایک پلیٹ فارم موجود ہے اُسے مضبوط اور زیادہ فعال بنایا جا سکتا ہے نیز البرہان کے نام سے ایک ماہنامہ میسر ہے جس کے ذریعے سے اداروں تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ضرورت یہ ہوگی کہ لاہور کی سطح پر ایک کور کمیٹی بنائی جائے جو اس سارے کام کی منصوبہ بندی اور تنفیذ کی نگرانی کرے اور جوں جوں کام میں وسعت پیدا ہو مختلف علاقوں میں شہروں کی بنیاد پر ذیلی کمیٹیاں قائم ہوتی چلی جائیں۔ جہاں تک مالی معاونت کا تعلق ہے اگر کام کا آغاز کر دیا جائے اور کچھ ہوتا نظر آئے تو مالی معاونین میسر آ جائیں گے، ان شا اللہ۔

پس تحریر

ڈاکٹر محمد امین صاحب صدر تحریک اصلاح تعلیم نے مجوزہ بالا ادارہ فوری طور پر قائم کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ صاحبِ علم اور صاحبِ ثروت افراد سے دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون کی اپیل کی ہے۔ کیا کوئی ایسا صاحبِ دل فرد آگے بڑھ سکتا ہے جو اپنی کوئی خالی عمارت اس کارِ خیر کے لیے وقف کر دے یا کوئی موزوں بلڈنگ خرید کر مجوزہ تعلیمی ادارے کو قلیل (Nominal) کرایہ پر طویل عرصے کے لیے لیز پر دے دے اور اس کے بدلے جنت الفردوس میں ایک عظیم محل کا امیدوار بن جائے؟

تعلیم و تربیت

پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر [۱]

پاکستانی یونیورسٹیوں میں تحقیق

ہمیں ''پروفیسر ڈاکٹروں'' کی مصنفہ ومؤلفہ، نیز ترجمہ ومرتبہ کتابیں موصول ہوتی رہتی ہیں۔ الحمدللہ ان میں زیادہ تر بائے بسم اللہ سے لے کر تائے تمت تک نظر سے گزرتی ہیں۔ بعض کا مطالعہ کر کے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ وہ طالب علم کی اطلاعات میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ بعض کے بارے میں یہ احساس ہوتا ہے کہ اطلاعات کی فراہمی یا ان کے جائزے اور تجزیے میں کوئی خاص یا نیا پہلو سامنے نہیں آیا، تاہم جو وقت ان کے پڑھنے میں صرف ہوتا ہے، کم از کم وہ اس لیے ضائع نہیں سمجھا جاتا کہ درست اطلاعات کا بارِ دگر نظر سے گزر جانا یادداشت کی مضبوطی میں مدد دیتا ہے۔ بعض کتابیں اطلاعات اور اپنے لوازمے کے اعتبار سے تو معیاری ہوتی ہیں مگر ان کی زبان وبیان اور پیشکش ناقص ہوتی ہے۔ زبان وبیان کے معیاری ہونے اور ادارتی ضوابط کا خیال رکھنے سے کتاب کی جاذبیت مطالعہ وتوجہ (Readability) بڑھ جاتی ہے۔

اُردو ہماری قومی زبان ہے اور ایک طبقے کی مادری زبان بھی۔ ہم یقیناً اردو زبان جانتے ہیں، مگر کیا ایک ادیب جیسی زبان لکھ سکتے ہیں؟ جواب بڑی حد تک نفی میں ہوگا۔ ہم اپنے اہلِ قلم کو مشورہ دیتے رہے ہیں کہ اپنی تحریر کی طباعت واشاعت سے پہلے اسے کسی تکنیکی ماہر کو دکھا لیا کریں۔ اس سے ان کی کتاب نسبتاً بہتر شکل میں قارئین تک پہنچے گی، اور ان کے مقام ومرتبہ میں اضافہ کا سبب ہوگی۔ کسی مصنف کا اپنے طور پر کتاب کا اہتمامِ اشاعت کرنا، یا کسی معمولی وسائل کے مالک ناشر کا یوں ادارتی نوک پلک درست کیے بغیر کتاب چھاپنا چنداں اچھا نہیں، مگر تکلیف دہ امر یہ ہے کہ جامعات کی طرف سے جو کتابیں اور مجلّات سامنے آرہے ہیں ان میں سے بعض جامعات اور ان کتب ومجلّات کے لکھنے والوں کے لیے باعثِ عزت افزائی نہیں ہیں۔

جامعات کے بعض مقالات دیکھ کر بحیثیت مجموعی صدمہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع

[۱] مدیر'نقطۂ نظر'اسلام آباد

ہے کہ جامعات کے اساتذہ بھی اس پر اب پریشانی کا اظہار تو نہیں کرتے کہ ’’اساتذہ برادری‘‘ کا سوال ہے، مگر دبے لفظوں میں وہ کہہ دیتے ہیں کہ ـبات تو سچ ہے، مگر بات ہے رسوائی کی۔ دوسرا طبقہ محنتی اور معیاری تحقیق ومطالعہ کے شائق اساتذہ کا ہے جو اپنا کام کررہے ہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ کمزور اور ناقص تحقیق کا رونا رونے کی بجائے ہم خود معیاری کام کرتے رہیں اور اپنے طلبہ کو محنت وجستجو کا عادی بنائیں۔ ایک تیسرا طبقہ محتسب کا کردار ادا کرنا چاہتا ہے، مگر تُوتی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا ہے! سوال یہ ہے کہ پس چہ باید کرد؟

پاکستان کی تعلیمی دنیا پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہماری جامعات میں تحقیق کی روایت مضبوط رہی ہے، مگر محدود رہی ہے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد طبیعی علوم کے حوالے سے تو ہمیں معلومات دستیاب نہیں ہیں، البتہ سماجی علوم (تاریخ، سیاسیات، فلسفہ، مذہبیات وغیرہ) اور السنہ شرقیہ کے حوالے سے اساتذہ اور ان سے وابستہ عملے کی تحقیقی سرگرمیوں سے ہٹ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کے لیے ’تعلیم‘ زیادہ اہم تھی، ’تحقیق‘ کی حیثیت ثانوی، بلکہ اس سے بھی کچھ کم تر سطح پر تھی۔ کسی مضمون میں ایم۔اے کے طے شدہ نصاب کے مطابق آٹھ دس یا کم وبیش پرچے ہوتے تھے، سالِ آخر میں طالب علم کے سامنے یہ سوال ہوتا تھا کہ بطور تخصص ایک دو مزید پرچے دے دے، یا ان کی جگہ تحقیقی مقالہ لکھ لے۔ تحقیقی مقالہ لکھنے والے بہت کم ہوتے تھے، اور اس کا حتمی فیصلہ طالب علم کی بجائے اساتذہ کرتے تھے۔ جہاں تک ایم۔اے سے اوپر اعلیٰ تحقیق کا تعلق ہے، ۱۹۶۰ء کی دہائی تک وطن عزیز کی جامعات میں پی ایچ ڈی اساتذہ خال خال تھے اور جامعات میں پی ایچ ڈی پروگراموں کا کوئی زیادہ چرچا بھی نہیں تھا۔ جو طلبہ وطالبات اپنے دل میں یہ خیال پال لیتے تھے کہ وہ ایک دن ’ڈاکٹر‘ کا سابقہ اپنے نام کے ساتھ لگائیں گے، شاذ ونادر ہی خوش قسمت ثابت ہوتے تھے۔

اربابِ جامعات اور مرکزی وزارتِ تعلیم اپنے ہاں تحقیق کے وسائل سے زیادہ مطمئن بھی نہ تھی۔ اعلیٰ تجربہ کار اساتذہ کی کمی، کتب خانوں اور مالی وسائل کی عدم دستیابی بھی آڑے آتی تھی، مگر دوست ممالک کی جانب سے ملنے والے وظائف یا خود وزارتِ تعلیم کی جانب سے مہیا کیے گئے وسائل سے بعض افراد بیرونِ ملک جاتے تھے اور ان میں سے ایک تعداد کامیابی کے ساتھ واپس آکر جامعات میں تدریس جاری رکھتی تھی، تاہم بتدریج جامعات تحقیق

کے سلسلے میں اقدامات کرتی رہیں۔

بڑی تبدیلی پرویز مشرف کے دورِ اقتدار (۱۹۹۹ء-۲۰۰۸ء) میں اُس وقت آئی جب ڈاکٹر عطاء الرحمٰن مرکزی وزیر تعلیم مقرر کیے گئے۔ انہوں نے تحقیق و جستجو پر بہت زور دیا۔ جامعات کے فنڈز میں اضافے کیے، اساتذہ کو بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کے لیے سفری گرانٹس دیں، جامعات اور دوسرے تعلیمی اداروں کے پی ایچ ڈی اساتذہ کا ماہانہ الاؤنس طے کر دیا گیا، جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے نگران اساتذہ کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کے طلبہ کے مقالاتِ تحقیق کی تکمیل پر انہیں اعزازیے دیے گئے، اور یوں "تحقیق" کے بازار میں گہما گہمی آ گئی۔ چند برسوں میں کیفیت یہ پیدا ہو گئی کہ ہر آنے والے سال میں پی ایچ ڈی کی سندیں حاصل کرنے والوں کی تعداد میں سیکڑوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، اور جامعات نے اپنے ہاں لیکچرار کے لیے سادہ سے ایم اے (سیکنڈ ڈویژن) کی ابتدائی اہلیت کو بڑھا کر پی ایچ ڈی میں بدل دیا اور جو اساتذہ پی ایچ ڈی نہ تھے، ان پر واضح کر دیا گیا کہ ان کے اگلے گریڈ میں ترقی پانے کے لیے ان کا پی ایچ ڈی ہونا ضروری ہے۔

جناب ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کی پالیسی سے تحقیق میں پیش رفت تو ضرور ہوئی، مگر یہ محض تعلیم و تحقیق کے لیے نہ تھی، بلکہ اس کے پیچھے بڑا محرک معاشی آسودگی کا تھا۔ بہر حال فیصلہ تو جامعات کے اساتذہ کے ہاتھ میں تھا کہ کن افراد کو اعلیٰ تحقیق کے لیے موزوں خیال کرتے ہیں؟ اور ان کے کارِ تحقیق کی جانچ پڑتال کا نظام کس حد تک معیاری ہے؟ اس عمل میں بحیثیت مجموعی جامعات اور جامعات کا نگران ادارہ "ہائر ایجوکیشن کمیشن" کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہو سکا اور "تحقیق" کے نام پر جو افراد تیار کیے گئے، اُن میں کم ہی ایسے ہیں جو عالمی سطح پر اپنی صلاحیتیں منوا سکے ہیں۔

صورتِ حال کو مزید خراب ہونے سے بچانے، اور اسے بہتری کی جانب لے جانے کے لیے وزارتِ تعلیم، ہائر ایجوکیشن کمیشن اور ایسے ہی دوسرے نگران اداروں کی اہمیت اپنی جگہ، مگر اصلاً یہ کام جامعات کے اساتذہ کا ہے اور وہی بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ خود اساتذہ "خود احتسابی" کے تحت آگے آئیں، اور ملک وملّت کو تعلیمی و تحقیقی زوال سے بچا لیں۔

تعلیم و تربیت

عامرہ احسان

مدرسہ ڈسکورس

امریکی مسیحی یونیورسٹی کی مدد سے پاکستان کے دینی مدارس میں تجدد پھیلانے کا منصوبہ
زیر نگرانی ڈاکٹر عمار خان ناصر ابن مولانا زاہد الراشدی و شاگرد جاوید غامدی

ماڈریٹ اسلام پر مغرب میں جو پلاننگ ہوئی، روبہ عمل لائی گئی، ہر طبقے میں نقب لگائی گئی۔ سارا مسئلہ جہادی، سیاسی اسلام سے نمٹنے کا ہے۔ اسلام کو موم کی ناک بنا کر نکیل مغرب کے ہاتھ تھما دینے کا ہے۔ انہی کے مقالوں میں یہ بھی درج تھا کہ مدارس، اسلامی یونیورسٹیاں اور ان میں (بالخصوص پاکستان میں) زیر تعلیم طلبہ کی بہت بڑی تعداد ان کے لیے باعث تشویش ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کرنا پیش نظر تھا۔ یہ تذکرہ بھی موجود تھا کہ امریکی ایجنسیوں کے اہلکار (عرب دنیا میں) اخوان المسلمین سے ملتے رہے اور ادھر دیوبندی حلقوں کے بیچ بھی راہ تلاش کی۔ پاکستان میں مدارس پر ہمہ نوع یلغار، ترغیب، ترہیب، دباؤ، گھیراؤ نوعیت کے سبھی حربے جاری وساری ہیں۔ اسی میں ''اسلامی کا چہرہ بدلنے'' کی جس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا، وہ عزم بن کر پوری دنیا پر ٹوٹ پڑی۔ فکری نظریاتی سطح پر ''مدرسہ ڈسکورس'' کے عنوان سے ورکشاپوں کی رپورٹیں شائع ہوتی رہیں۔ پہلی مرتبہ پڑھتے ہی ماتھا ٹھنکا تھا۔ پہلی ورکشاپ کھٹمنڈو (نیپال) میں ہوئی۔ بعد ازاں سات روزہ ورکشاپ دوحہ، قطر میں منعقد ہوئی جس میں ۴۵ (مدارس کے) طالب علم اور طالبات کی شرکت ہوئی۔ نیٹ پر موجود تصاویر میں ایک میز کے گرد نوجوان مرد وزن (باحجاب بھی اور کھلے سر بے حجاب بھی)، مدارس کے ماحول سے یکسر مختلف 'مدرسہ مباحثہ' (یعنی ڈسکورس)، اظہارِ خیال، باہم گفتگو جاری وساری ہے۔ تصاویر میں مرد وزن شانہ بشانہ! مباحثہ کیا ہے؟ ہمیشہ سے طے شدہ مسائل سوالات کی توپ سے داغے جارہے ہیں۔ اسلام کو کٹہرے میں کھڑا کر کے، متفق علیہ مسائل از سرِ نو عقل کی سان چڑھا کر وہ جوابات مانگے جارہے ہیں جو اہل مغرب کو پسند آجائیں۔ ان کے لیے قابلِ قبول ہوں! اخباری کالموں کے ذریعے ناپختہ اذہان میں بہت سے

سوالات کے کانٹے چبھو کر چھوڑ دینا طے شدہ ایجنڈوں کا حصہ ہے، فکری انتشار کے لیے۔

یہ پراجیکٹ یونیورسٹی آف نوٹرے ڈیم (انڈیانا) کا تھا۔ امریکہ کی یہ یونیورسٹی کیتھولک عیسائی عقیدے کے زیر اثر ہے۔ ''مدرسہ ڈسکورس'' ہو یا بذریعہ نصاب ہائے تعلیم ہماری عصری تعلیم کی پوری فکری ہیئت کا بدل دیا جانا، یا میڈیا کے ذریعے ثقافتی یلغار، پس پردہ وہی ''روشن خیالی'' کارفرما ہے۔ یہ وہی مذہب سے چھٹکارے کی منزلیں ہیں جو یورپ میں ''اصلاحِ مذہب'' (Reformation) کے نام پر شروع ہوئیں۔ ردّ عیسائیت سے ہوتی ہوئی بظاہر ''نشاۃ ثانیہ۔ حیاتِ نو'' پر منتج ہوئی لیکن یہ نئی زندگی روحانیت کی موت تھی۔ مذہب، خدا، رسالت، غیب، آخرت جیسے تمام عقائد سے جان چھڑالی گئی۔ آگے چل کر انہی افکار کی کوکھ سے سیکولرزم، لبرلزم یعنی ''مذہبِ لامذہبیت'' نے جنم لیا۔ جدید سائنس کی بنیاد پر تنویریت (روشن خیالی) کے مفکرین نے مذہب سے بغاوت کر ڈالی۔ فکر و فلسفے کی ٹامک ٹوئیاں مارتے، حضرت آدم علیہ السلام کا انکار کرنے کے نتیجے میں تخلیق کی نئی کہانی کی تلاش میں نکلے۔ ڈارون جنگل سے بیبون (بن مانس) ڈھونڈ لایا، اور خود سے مماثلت کی بنیاد پر ارتقاء کی درفنطنی چھوڑی۔ (ڈارون اصلاً عیسائی تھا، نہ رہا) اسی تسلسل میں انسانی نفسیات کی تفہیم یہودی الاصل فرائڈ نے اپنی بہکی بھٹکی انکارِ خدا پر مبنی ژولیدہ فکری سے کی۔ وہ جو خود ڈیپریشن کا مریض تھا پیچھے ایک الجھی بکھری نفسیات ٹامک ٹوئیوں کی بنیاد پر چھوڑ گیا۔ (خود یہودی تھا، نہ رہا) یہ ایک طویل داستان ہے تین صدیوں پر محیط جس کے نتیجے میں آج مغرب جس حال میں ہے، اقبال اسے بیان کر چکے ۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

سو عجب ملغوبہ فکری سطح پر مغرب میں ملے گا۔ ایک طرف کیتھولک عیسائیت بھی ہوگی، سینٹ پال کے گنجلک عقیدوں والی۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سیکولرم، لبرلزم بھی پائے گا۔ Agnostic ہوں گے۔ یعنی خدا کے انکار و اقرار کے درمیان کھوئے گئے۔ شاید ہے، شاید نہیں۔ ایسے میں مذکورہ (نظریاتی) یونیورسٹی کا یہ پراجیکٹ جدیدیت، جدت پسندی پر بحث

مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کے لیے ورکشاپس سپانسر کر رہا ہے۔ ہدف جنوبی ایشیا کے مدارس کے طلبہ/ طالبات ہیں۔ مقصود دینی مدارس کی سطح پر اصلاح مذہب کی مغرب جیسی تحریک اٹھانا ہے۔

اسلام پر سوالات اٹھانا

''اصلاحِ اسلامیت'' جو بالآخر تشکیک کے مراحل سے دوچار کر کے بالآخر عیاذاً باللہ ''ردّ اسلامیت'' تک لے جائی جاسکے، خود اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں۔ جس طرح کٹر عیسائی خاندان کے ڈارون اور کٹر یہودی خاندان کے فرائڈ نے کیا! مقصد بظاہر نہایت بے ضرر پیش کیا گیا ہے۔ ''مسائل پر آزادانہ غور و فکر اور دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق ان کا حل پیش کرنا۔'' اگرچہ پیش کردہ مسائل سبھی حل شدہ، طے شدہ حقائق ہیں۔ اقبال اس فکر و نظر کے الجھاؤ کا کما حقہ محاکمہ کر چکے ہیں مثلاً:

لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

نیز یہ بھی کہ ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید

جس ربّ کائنات نے یہ دین عطا فرمایا وہ ازل تا ابد کا ربّ ہے ؎

وہ زمانوں کا، جہانوں کا خدا
خالقِ ارض و سماء، حیّ و صمد

جس کے دروازے پہ رہتے ہیں کھڑے ؎

مثل دربانِ ازل اور ابد
جس کی رفعت کا ٹھکانہ ہے نہ حد

(امجد اسلام امجد)

مدرسہ ڈسکورس کے پروفیسر ماہان مرزا فرماتے ہیں ''ہمارا کام سوال اٹھانا (بلکہ یوں کہیے) سوالوں پر اکسانا ہے۔ ان کا (طلبہ کا) کام جواب تلاش کرنا ہے۔ یہ بھی کہ ہم ان کے

سامنے براہ راست چیلنجز رکھتے ہیں اور دعوت دیتے ہیں کہ وہ تعقل کی بنیاد پر، عقلی پیمانوں پر مسائل کو دیکھیں، پرکھیں، سمجھیں۔''

مسائل زیر بحث یادرہے کہ دینی مسلّمات بھی ہیں۔ اقبال نے کہا تھا۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

یہ وارننگ بھی علامہ اقبال نے دی تھی کہ۔

محسوس پہ بنا ہے علومِ جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

اور یہ بھی کہ ''عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں۔'' یہ شیرل بنیارڈ (خلیل زادز لمے کی یہودی بیوی، ماڈریٹ اسلام کی چیمپئن) والی حریتِ فکر ہمیں راس نہیں آسکتی۔ ہم اللہ کے کھونٹے سے بندھے گھوڑے ہیں۔

ردّ نظریات کو دوبارہ اٹھانا؟

نوجوان کالم نگار جو اس مدرسہ ڈسکورس کا حصہ بنے اور ورکشاپ کو رپورٹ کرتے آرہے تھے، قطر حصہ دوئم میں ٹھیک ٹھاک الجھ گئے۔ نازک ترین مسائل پر اپنے پروفیسر ہامان مرزا کے اکسائے سوال داغنے چلے گئے۔ تمام طے شدہ، حل شدہ ایشوز کو ازسرِنو اٹھاکر نئے جوابوں کے طلب گار ہونا؟ یونیورسٹی آف نوٹرے ڈیم کے مَن چاہے جوابوں کی تلاش ہے؟ ورنہ ان سوالات کا کیا محل ہے؟ ملا عمر بہ اندازِ دگر سبھی سوالوں کے جواب افغانستان میں دے بھی چکے ہیں! امارت اسلامیہ کی صورت نفاذِ شریعت ہو چکا تھا۔ (مغرب کو بات سمجھنے میں جو دشواری تھی، وہ بیس سالہ جنگ میں طالبان نے کماحقہ دور کردی ہے، اسی لیے اب آپ کے ممدوحین میز پر طالبان کے ساتھ آبیٹھے ہیں) مثلاً یہ سوال کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اہم حکومتی مناصب اور ذمہ داریاں تفویض کی جاسکتی ہیں؟ قادیانیوں کی قانونی حیثیت؟ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کے بارے لکھتے ہیں کہ ''نظریۂ ارتقاء اور اس جیسے دیگر سائنسی وفکری مسائل پر غور وفکر اور ریسرچ کے لیے وقت اور سرمایہ دونوں درکار ہیں۔'' قبل ازیں یہ کہ مدارس اور علماء کا دائرہ کار

محدوداور وسائل بہت کم ہیں، اتنے محدود وسائل کے ساتھ اپنا وجود برقرار رکھنا اور معاشرے کو دینی رہنمائی فراہم کرتے رہنا ہی بڑی بات ہے۔ حالانکہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء نہ وسائل کا طلب گار ہے نہ ریسرچ کا۔ (اصحابِ صفہ کے وارثوں کو مالی وسائل درکار نہیں ہوتے۔ یہ فائیو اسٹار ورکشاپوں کی چکا چوند زاویۂ نگاہ بدل دیتی ہے)۔ راقمہ نے اسی مضمون (حیاتیات) میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ سائنسی بنیادوں پر ردّ، مردود نظریہ ہے۔ اتنی فلسفیانہ ٹامک ٹوئیاں مارنے میں مغرب اپنا کافی پیسہ اور وسائل کھپا کر منہ بسورے آگے چل دیا ہے۔ امریکہ کے تو پادری (جن کے پاس نہ وہ کتاب ہے جس کی بنیاد لاریب فیہ ہے اور نہ ہی اپنے باپ آدمؑ کی مکمل کہانی جس کے وارث ہم ہیں!) بھی اپنے زیر اثر علاقوں میں ڈارون کا نظریۂ ارتقاء پڑھانے نہیں دیتے! لیکن مسلمان بچوں کی بربادی کے لیے پورے پاکستان کی کتابوں میں یہ بھر دیا ہے۔

کسوٹی سائنس نہیں، قرآن ہے

آپ ۲۱ویں صدی میں علماء کے محدود وسائل اور دائرہ کار کی تنگی کا لاحاصل تذکرہ فرما رہے ہیں۔ دنیا ڈارون سے بہت آگے جا چکی۔ اب تو وہ دیوانگی کی اس حد پر پہنچ چکے جہاں خود اپنے باپ کے نام سے وہ واقف نہیں۔ جدامجد کی تلاش میں جانے کی فکر کہاں باقی رہ گئی۔ یہ آپ کو الجھانے کا سامان ہے۔ 'بیکار مباش کچھ کیا کر' کے مصداق مردہ نظریۂ ارتقاء ادھیڑ کر آپ کے ہاتھ تھما دیا اور ۴۵ طلباء وطالبات نے قبول بھی کر لیا؟ خریداری کرتے وقت مال دیکھا تو جانا چاہیے۔ یہ سائنسی لنڈا بازار کا بندر کی جوؤں بھرا نظریہ، کیا ہم ان سے لے کر مدارس کے طلباء کے پاکیزہ دماغوں میں بھس بھریں گے؟ اس پراجیکٹ کی دیگ کے چند دانے ہی اس کے حقیقی ذائقے کا پتا دینے کے لیے کافی ہیں۔ سائنسی حوالے سے تشکیک بھرے سوالات ڈسکورسی کالموں میں سامنے آئے تو شدید اذیت کا شکار رہی۔ منتظر رہی کہ یہ ایسے کالموں کی اشاعت بند ہو یا اہل علم اس پر لکھیں کہ جو قرآن میں سات آسمانوں کے تذکرے کو سائنسی نکتۂ نگاہ سے چیلنج کر گزرے! یا بقول ہامان مرزا کے سوالوں پر ابھارے، اکسائے۔ اصلاً تو مسئلہ یہ ہے کہ سائنس پیمانہ یا کسوٹی نہیں ہے جس پر اسلام یا قرآن کو پرکھا

جائے۔قرآن کسوٹی ہے(Criterian)۔الفرقان)جس پر سائنس پرکھی جائے گی۔

بے چشمہ حیوان ظلمات

سائنسی نظریات تو اپنے ارتقائی دور میں مسلسل ردّ ہو ہو کر آگے بڑھے ہیں۔سائنس کا رعب ہمیں نہ دیں۔دنیا سائنس کی حکمرانی کے تابع ہوتی تو سائنسی خدا (منہ کے بل گر کے ھوالله احد کہتے!) افغانستان میں امریکی، سائنسی شوکت وہیبت کے یہ بُت یوں زیر اور ڈھیر نہ ہوئے ہوتے۔باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ! لوٹ آیئے اپنے عظیم ترین سرمائے کی طرف جس کے آگے دنیا کے سارے وسائل، ذہانتیں، صلاحیتیں، نام نہاد علمیت زیرو ہے، صفر ہے۔ قرآن عظیم اور سات بار بار دہرائی جانے والی آیات (الفاتحہ)۔انہیں چھوڑ کر آپ (دن میں کم وبیش ۳۲ مرتبہ مغضوب وضالین کی راہوں سے پناہ مانگنے کے باوجود) انہی کی چوں میں خود مارے مارے پھر رہے ہیں، لنڈے کے علم کی بھیک مانگ رہے ہیں؟ مغضوب اور ضالین کی تشریح کیا نبی مکرم حضرت عدی بن حاتمؓ کو پڑھا کر مجھ آپ تک پہنچا نہیں چکے؟ یہود ونصاریٰ سے تشکیک اور گمراہی کی خریداری؟ وہاں کی یونیورسٹیوں سے مرعوبیت آج کے نوجوان کی رگ رگ میں اتاری گئی ہے۔ہم سے پوچھیئے ؎

عذابِ دانش حاضر سے باخبر ہوں مَیں
کہ مَیں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ

اللہ نے لا الہ الا اللہ کہنے پر ظلمات سے نکال کر قرآن اور ایمان بالرسالت کی روشنی ہمیں عطا کی تھی۔ازسرِنو ظلمتوں کے سفر پر کوئی کیوں نکل کھڑا ہو؟ کیونکہ ؎

مغرب میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

ان کی یونیورسٹیوں میں معلومات، فنون اور ہنر کے ڈھیر لگے ہیں لیکن اخلاقیات اور انسانیت کا جنازہ نکل چکا ہے۔صرف آکسفورڈ یونیورسٹی سے حصولِ علم کا حال سنیے۔ایک رپورٹ ماضی قریب میں شائع ہوتی تھی کہ تعلیمی اخراجات بہت زیادہ ہونے کی بنا پر طالبات کی اچھی خاصی تعداد بچی کھچی عصمت کی سوداگری کے ذریعے ٹیوشن فیس ادا کرتی ہے۔مغرب

ہر سطح پر موت کے گھاٹ اتر چکا ہے۔ معاشرتی سطح پر خاندانی نظام تباہ ہو چکا۔ سب رشتے ختم ہو گئے۔ والدین، اولاد، بہن بھائی، زوجین کچھ بھی تو باقی نہ بچا۔ فرد جیتے جی تنہائی کی قبر میں اتر گیا! معاشی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام، خون چوس، ٹیکس نچوڑ نظام کی اذیت سمجھنے کے لیے خود ان کے ہاں سے جو وال اسٹریٹ تحریک ۹۹ فیصد بمقابلہ ایک فیصد کا احتجاج لے کر اٹھی اور دبادی گئی تھی، بہت کافی ہے۔

عوام الناس کے خون پسینے کی کمائی، کولہو کے بیل کی طرح استحصالی نظام میں جوت کر جس طرح جنگوں میں کھربوں ڈالر کی صورت لٹائی گئی، کس ذی ہوش سے پوشیدہ ہے۔ سیاسی سطح پر اتنی ہی مہنگی جمہوریت اربوں ڈالر جھونک کر جو حکمران لائی، اس کا نام ٹرمپ ہے، جس پر اب وہ خود بھی سر پکڑے بیٹھے ہیں! اخلاقی سطح پر بحر مردار کا تعفن اور سڑاند ان کے معاشرے سے اٹھ اٹھ کر انسانوں کا جینا دوبھر کر رہی ہے۔ صرف ''می ٹو تحریک'' ہی پہلے خواتین اور پھر مردوں کی سطح پر اٹھ کر انسانیت کو شرمسار کیے دے رہی ہے۔ ذرائع ابلاغ کے توسط سے پوری دنیا میں جھوٹ، دجل، بے حیائی کا پھیلاؤ مزید ہے۔

علاج اس کا....

عالمی سطح پر ان چودھریوں نے انسانیت پر جو قیامتیں ڈھائی ہیں، بالواسطہ یا بلاواسطہ، برما، کشمیر تا غزہ، عراق، افغانستان تا شام! ہیروشیما، ناگاساکی سے بھی بڑھ کر موت کی سوداگری یوں کی ہے کہ ؎ دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ۔ شہداء کے پاکیزہ اجسام پر غلاظت کرنے والے، کم عمر بچوں کو افغانستان میں شہید کر کے ان کی انگلیاں کاٹ کر دوستوں کو یادگار کے طور پر بھجوانے والے۔ ابوغریب، گوانتانامونما عقوبت خانوں کے جال پوری دنیا میں بچھانے اور انہیں بطور صنعت مسلم ممالک میں فنڈ کرنے والے۔ آپ کون سی ''ریسرچ'' کے آسمانوں پر تھگلیاں لگانے چلے ہیں، ہلاکو خان کو شرما دینے والوں کے ہاں؟ آپ کے دنیا میں آنے سے بہت پہلے اقبال پرکھ چکے۔ قرآن اور بعدازاں بحرِ علومِ مغرب میں شناوری کے بعد ؎

تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا مَیں موج موج، دیکھ چکا صدف صدف

اس سے دھوکا کھانے والوں کا علاج بھی بتا چکے ۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاطِ انگیز ہے ساقی

سو سارے ڈسکورس چھوڑ کر ۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جرأتِ کردار

کیا کیجیے کہ اس فکری گمراہی پر کلامِ اقبال ہر آن نوکِ قلم سے ٹپک ٹپک جاتا ہے۔ اٹھائے نکات اس لائق نہیں محسوس ہوئے کہ ان کا ردّ کیا جائے۔ اب نظریہ ارتقاء جیسے رطب و یابس پر تین حرف بھیجنے کے سوا ہے بھی کیا کیونکہ یہ انکار نبوت ہے، انکارِ قرآن ہے۔ حضرت آدمؑ اور تخلیق آدمؑ کا انکار ہے۔ اس کے بعد دامن میں بچا کیا جس پر علم و فضل کی عمارت اٹھائی جائے۔ ایوب خان دور کے ڈاکٹر فضل الرحمٰن (یاد رہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن خود مدرسے سے پڑھے تھے۔ والد امام مسجد تھے۔ شکاگو سے تعلیم لے کر گمراہی میں پڑ گئے۔ بیٹا عیسائی مبلغ بن گیا، پناہ بخدا) اور دورِ حاضر کے وحید الدین خان اور غامدی، ایک ہی فکری تسلسل ہے۔ سو مشتری ہوشیار باش!

یہ ضروری ہے کہ فکری گمراہی کا جواب یکجا کر کے علمائے کرام نوجوانوں کی رہنمائی کا سامان کر دیں۔ اب تو بے شمار بڑے بڑے مغربی سائنس دان، انجینئر، ڈاکٹر ایمان لا کر بہت کچھ لکھ چکے۔ صحافی ایوان ریڈلی کے انٹرویو اور تحریریں ملاحظہ فرمالیجیے۔ ڈاکٹر موریس بکائے، فرانسیسی سرجن اور ڈاکٹر کیتھ مور (علم الجنین) جیسے ماہرین سے اسلام پڑھ لیں۔ انگریزی میں قرآن کے پہلے مترجم (جو چرچل کے دوست بھی رہے) محمد مارماڈیوک پکتھال کو پڑھ لیں۔ سیاہ فام امریکی نومسلم جنہیں شہید کیا گیا (فرنگ ان کی نواؤں کی تاب نہ لا سکا تھا) میلکم ایکس سے اسلام سیکھ لیں۔ ہمارے مدارس کے یکسو اور پاکیزہ فکر نوجوان کو الجھانے کا ''فرض'' نہ نبھائیں!

تعلیم و تربیت

پروفیسر عاصم حفیظ

دنیا کی انوکھی لائبریری

لوگوں میں میل ملاقات سببِ راحت ہوتی ہے اور اس سے آپ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں

ڈنمارک کی ایک لائبریری ہے اس کی دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں آپ ایک کتاب کی بجائے کسی شخص کو اُدھار لے سکتے ہیں، اُس کی زندگی کی کہانی سُننے کے لیے وہ تیس منٹ تک آپ کو اپنی لائف سٹوری سُناتا ہے جس کا مقصد مشکلات اور ہر قسم کی پریشانی کے خلاف لڑنے کی تحریک پیدا کرنا ہے۔

ہر شخص کا ایک عنوان ہوتا ہے جیسے ''بیروزگار''، ''پناہ گزین''، ''تنہا''، ''احساسِ کمتری یا احساسِ جرم کا شکار'' وغیرہ وغیرہ۔ اسے The Human Library کا نام دیا گیا ہے۔

لائبریری کی طرز پر نہ سہی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آج ہمارے معاشرے کو بھی اس پریکٹس کی بہت ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں بیٹھک ہوتی تھی۔ لوگ چوپال میں بیٹھتے تھے۔ بڑے علماء، سکالرز، شاعر اور بہت سے دیگر شعبہ جات کے بڑے بیٹھتے اور طالب علم، نوجوان وہاں سے رہنمائی لیتے۔ گاؤں میں حقے کی محفل جم جاتی، زندگی کے سبق ملتے۔ گھروں میں دادا دادی یا بڑے بیٹھتے اور قریب کے رشتہ دار ایک مخصوص وقت میں وہاں آجاتے۔

سائنس نے اس کو ثابت کیا ہے کہ مل بیٹھنا آپ کی صحت، جسمانی حالت اور ذہنی تسکین پر بے پناہ مفید اثرات ڈالتا ہے۔ دنیا ہارمونز تھراپی پر کام کر رہی ہے۔ یعنی جب آپ کسی کے پاس بیٹھتے ہیں تو ہارمونز تھراپی ہوتی ہے۔ آپ کی جسمانی اور ذہنی صحت پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

چند نئی روایات کی ضرورت ہے۔ تفریح کے طریقے اور انداز بدلنے کی ضرورت ہے۔ آپ خود اور چند ہم خیال دوست مل کر کسی سکالر، عالمِ دین، کسی شعبے کے ماہر کا وقت لیں۔ تحائف یا فیس کی صورت میں باقاعدہ خدمت کریں اور پھر بیٹھ کر تجربات سے مستفید ہوں۔

کسی کا زندگی بھر کا مطالعہ، کسی شعبے میں مہارت، علم اور تجربات، ہر چیز مفت ہی میں

حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔قیمتی انسانوں کے وقت کو قیمتی سمجھیں۔کسی کا وقت چاہیے تو اس کی زندگی میں آسانی کے لیے،سہولیات کے لیے کچھ تبادلہ ضرور کریں۔خصوصا اہل علم، علماء کرام،شیوخ الحدیث اور دیگر ماہرین۔کچھ وقت کی ملاقات بڑے الجھے مسائل حل کر دے گی۔

اسی طرح کلب کی طرز پر،محفل کی صورت میں، بیٹھک کے انداز میں وقتا فوقتا مل بیٹھنے کا اہتمام کریں۔آپ کی زندگی بدل جائے گی۔ڈیپریشن سے نجات ملے گی اور زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا نیا حوصلہ،زندگی کے سبق سیکھنے کو ملیں گے۔

جس طرح غذائیت، آؤٹنگ، سیر و سیاحت، ہوٹلنگ پر خرچ کرتے ہیں اسی طرح انسانوں کے وقت کے حصول پر بھی خرچ کرنا سیکھیں۔اپنی اولاد کے لیے وقت لیں۔کسی کا آپ کے لئے دیا گیا خصوصی وقت اور لمحات یقینا آپ کی اور آپ کے اپنوں کی زندگی بدل دیں گے خصوصاً فری لانسرز، راتوں کو کام کرنے والے اور ڈیپریشن کا شکار ہونے والے، تنہائیوں کے ڈسے نوجوانوں کو اس بارے میں ضرور سوچنا چاہیے۔ان کے اپنے ان کے لیے وقت لیں اور ان کی زندگی میں خوشگواری کے لیے کوشش کریں

ملاقات کرامات ہوتی ہے،معجزے دکھاتی ہے اور بہت کچھ سکھاتی ہے۔

اس صدی کے سب سے بڑے جھوٹ

۱۔ پاکستانی عدلیہ انصاف کرتی ہے ۲۔ پاکستانی بیوروکریسی عوام کی خادم ہے

۳۔ پاکستانی فوج سیاست میں حصہ نہیں لیتی ۴۔ پاکستان کی سیاسی جماعتیں فوج سے ڈکٹیشن نہیں لیتیں ۵۔ پاکستانی قوم جھوٹ نہیں بولتی

۶۔ اقتدار عوام کے ہاتھ میں ہے ۷۔ امریکہ ہمارا دوست ہے

۸۔ مساجد اور مدارس کے علماء مسلک پرستی اور فرقہ واریت نہیں پھیلاتے

تزکیۂ نفس

حافظ محمد موسیٰ بھٹو[1]

دنیا اور دولت کے بارے میں صحیح طرزِ عمل

ایک اللہ والے نے اپنے بیٹے کے بارے میں کہا کہ دنیا نے اس کا گھر تاک لیا ہے، اب اس کی خیر نہیں ہے..... یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو دنیا کی خرابیوں کا پوری طرح مشاہدہ حاصل ہو۔

قرآن حکیم نے دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے والوں کے لیے سخت انتباہات دیئے ہیں، جب دنیا آتی ہے (اگر ذکر کی بنیاد مستحکم نہیں ہے) تو اس کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ کچھ اس طرح ہیں:

* دنیاوی تفکرات میں اضافہ ہونے لگتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی دل اور ذہن دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ دنیا بنانے کی حرص بڑھنے لگتی ہے اور معیارِ زندگی بلند سے بلند تر ہونے لگتا ہے۔

* راحت اور آسائش کی زندگی ہدف بننے لگتی ہے۔ مادیت پسند افراد سے تعلقات استوار ہونے لگتے ہیں، دینداری رسمی نوعیت کی ہونے لگتی ہے اور دینداری کے نام پر دنیاداری آنے لگتی ہے۔

* غریب عزیز واقارب کی پرسان حالی کا مزاج باقی نہیں رہتا، یعنی غریب عزیز واقارب کو ان کی حالت زار پر رہنے دیا جاتا ہے۔ مزاج میں بڑے پن کے اثرات آنے لگتے ہیں۔ جو وقتِ عبادت اور ذکر واذکار کی محنت میں صرف ہونا چاہیے تھا، وہ وقت دنیا سے مزید دنیا بنانے میں صَرف ہونے لگتا ہے۔ آخرت کی فکر مندی (جو دین کے مقاصد میں شامل ہے) وہ نہ صرف غالب نہیں ہوتی، بلکہ دل اس کی فکر مندی سے خالی ہونے لگتا ہے۔

---

[1] حیدر آباد (سندھ) معروف مربی، دانشور، ایڈیٹر اور مصنف کتبِ کثیرہ

* دنیا بنانے کے لیے وافر مقدار میں وقت موجود ہوتا ہے لیکن اللہ کی محبت کے جذبے کو فروغ دینے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔

غرض کہ جب دنیا ایک بار گھر دیکھ لیتی ہے یعنی وافر مقدار میں دنیا آنے لگتی ہے تو دنیا کی حرص وہوس فرد کا گھیراؤ کر لیتی ہے۔ بہت کم خوش نصیب افراد ایسے ہوتے ہیں جو وافر مقدار میں دولت آ جانے کے بعد حدِ اعتدال اور حالتِ توازن پر قائم رہ سکیں اور دنیاوی مفادات کے زیر اثر دنیا کے حوالے سے پیدا ہونے والے جذبات کو قابو میں رکھ سکیں۔

جہاں تک ''ضرورت کی حد تک'' دنیا کا تعلق ہے تو اس کے لیے جدوجہد ناگزیر ہے۔ اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ جائز ذرائع سے آنے والی دولت کی بھی اسلام میں گنجائش موجود ہے۔ لیکن یہ دولت عبادت کی قیمت پر ہرگز نہ ہو اس لیے کہ عبادت تخلیق کا مقصد ہے۔ عبادت متاثر ہوگی، ذکر کے انوار میں کمی آئے گی تو دنیا مقصود کی حیثیت اختیار کیے بغیر نہیں رہے گی۔

وہ افراد جو عبادت کے مقصود کو بجالانے میں کامیاب ہیں، ان کی دولت اپنی ضروریات کے بعد دین کے کاموں میں صَرف ہوگی۔ اس طرح کی دولت مستحسن ہے۔

صحابہ کرام اور بزرگانِ دین نے فقر محمدی کے اجزاء کو اختیار کیا ہے، دنیا آ جانے کے باوجود ان کی طرز معیشت و معاشرت اور طرز زندگی زہد و فقر کی زندگی تھی، اس لیے کہ وہ دل سے دنیا کی محبت کو نکال چکے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ دنیا کے آنے یا نہ آنے سے ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ ان کی شخصیت پر اللہ کی محبت اس قدر غالب تھی کہ اس محبت سے منافی چیزوں کی ان کے ہاں کوئی اہمیت اور قدر و قیمت نہیں تھی۔

اسلاف نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ دنیا، مال و دولت کا نام نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز دنیا ہے جو دل کو اللہ سے دور کر دے۔ آج کل خوبصورت گاڑیاں، بڑے مکان، راحت کا نیا سامان یہ ساری چیزیں دل کو اللہ سے دور کرنے کا ذریعہ بن گئی ہیں، اس لیے دل پر زیادہ سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔

موجودہ دور میں دنیا نے جو مفاسد پیدا کیے ہیں، اس کا مشاہدہ ہر سطح پر ہو رہا ہے، عالمی سطح سے لے کر محلہ کی سطح تک۔

موجودہ دور جو خود غرضی اور دنیا پرستی کے دور سے عبارت ہو گیا ہے، اس میں اس بات کی ہر ممکن حد تک کوشش ہونی چاہیے کہ مالی اعتبار سے نہ صرف کسی کی محتاجی نہ ہو، بلکہ فرد اس قابل ہو کہ وہ اپنے مستحق عزیز و اقارب اور دوست و احباب کی مالی مدد کر سکے۔

موجودہ دور میں عام لوگوں کی معاشی زندگی اتنی تنگ ہو گئی ہے کہ وہ افلاس کا شکار ہیں۔ دو وقت کی روٹی اور علاج معالجہ کے لیے ان کے پاس وسائل موجود نہیں ہیں۔ ملک کی اسّی فیصد سے زیادہ آبادی کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مراعات یافتہ طبقات نے حرص و ہوس کے جذبات سے بے قابو ہو کر قومی وسائل پر قبضہ کر لیا ہے، اور ہر فرد جو کسی طور پر بھی مراعات یافتہ طبقات میں شامل ہونے لگتا ہے، وہ عام طور پر سنگ دلی اور قساوت قلبی میں انہی طبقات کا مظہر بن جاتا ہے۔ یہ بڑی المناک صورت حال ہے، جو ہمارے ہاں پیدا ہو گئی ہے۔ یہ حالات اللہ کے فضل خاص سے ہی دور ہو سکتے ہیں۔ اس کی دوسری کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ان حالات میں ہمارے لیے راہ عمل یہ ہے کہ اللہ کی محبت کی راہ پر چلتے رہیں اور اللہ سے مانگتے رہیں کہ وہ نہ تو کسی کا محتاج بنائے اور نہ ہی اتنی وافر دولت دے، جس سے ہمارے مزاج میں عدم توازن پیدا ہو۔ نیز ہر وہ چیز جس سے دل اللہ سے دور ہو، اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تفہیم دین

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

پاکستان اور اسلام کا مجوزہ سیاسی نظام

ہمارے مضمون پر تبصرے، تجاویز.....اور ہمارا ردّ عمل

[ہم نے احباب کی پیش کردہ بعض تجاویز قبول کر لی ہیں اور جو قبول نہیں کر سکے ان پر اپنا نقطۂ نظر دے دیا ہے۔ مدیر]

حافظ ڈاکٹر حسن مدنی (مدیر جامعہ رحمانیہ و پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی)

اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکتیں فرمائے، خلوص سے کی گئی کاوشوں کو توشۂ آخرت بنائے۔

۱۔ اسلامی معاشرے کے بنیادی تقاضے اور تشکیل اصل چیز ہے، باقی جزوی تفصیلات ہیں۔

۲۔ تصورِ حاکمیت سے بڑھ کر شریعت کی عمل داری اور اس کو جاری وساری کرنا ضروری ہے۔

۳۔ شورائیت میں علاقائیت کی نمائندگی وطنیت نوازی ہے، قومی سطح پر قابل ترین لوگوں کو جمع کر کے، واقعات کی بہتر تفہیم ونفاذ کے لیے علاقائی نمائندے لیے جا سکتے ہیں۔ اصل چیز ارکان شوریٰ کی اہلیت اور ان کا طرزِ مشاورت اور صلاحیتِ نفاذ ہے۔

۴۔ مساوات غیر ضروری ہے۔ اس کی جگہ مناصب کی اہلیت اور فرائض کو دی جائے جس پر وافر تفصیلات موجود ہیں۔

۵۔ ایک حکومت وقتی اور انتظامی ہے، دوسری دائمی اور حقیقی ہے، جو ہمہ وقت بصورتِ کتابِ قانون (کتاب وسنت) جاری وساری رہتی ہے۔ کتاب وسنت پر جاری عدل خاص اہمیت رکھتا اور دار الاسلام ہونے کی میزان ہے۔

۶۔ سیاستِ شرعیہ کا پانچواں تقاضا اطاعتِ امیر کے تحت فرقہ بندی کا انسداد اور وحدتِ امت ہے۔ عملاً ان سب تفصیلات کے لیے موجودہ طالبان حکومت کا ایک تجزیاتی دورہ انتہائی مفید ہوگا۔

۷۔ پھر یہی شریعت کی عمل داری معیشت، معاشرت اور تعلیم میں ہے جس میں لبرل

سوسائٹی کی بجائے اسلامی معاشرے کی تشکیل مدنظر ہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے فرد ومعاشرہ کی تربیت اور انفرادی وحکومتی نگرانی ہے، جسے آپ نظام تزکیہ کہہ رہے ہیں۔

۸۔ مدارس کی بجائے ایک قومی نظام تعلیم میں ثانوی تک واحد نظام تعلیم کے ذریعے پوری قوم کو جامع اسلامی نظریات اور درکار علوم وفنون سکھائے جائیں، پھر ثانوی کے بعد پروفیشنل، اختصاصی تعلیم میں تمام شعبہ حیات کی طرح فقاہت ودعوت کے ماہرین بھی تیار کیے جائیں۔

۹۔ یہ سب کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو بہرصورت اپنی زندگیوں میں اسلام کو نافذ کرنے پر مصر ہوں، انہیں اسلامی عقائد پر یقین اور تعلیماتِ نبویہ پر کھلا اعتماد ہو۔

۱۰۔ ’خلیفۃ اللہ‘ بدعی اور نامناسب اصطلاح ہے۔ اور خلافت سے گریز کی بھی ضرورت نہیں، تاہم خلافت ابتدائی درجے میں امارت ہی ہے۔

البرہان

آپ کی تجاویز عمدہ ہیں، ان پر ہمارا مختصر تبصرہ درج ذیل ہے:

* اللہ کی حاکمیت کا تصور پختہ ہوگا تو ہی حُکّام شریعت کی عمل داری کا سوچیں گے۔

* شوریٰ میں علاقائیت کی نمائندگی وطنیت نوازی نہیں ہے، یہ اسلامی مملکت کے سارے صوبوں/ علاقوں کو مشاورت میں شامل کرنے کا عمل ہے۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں ارکانِ شوریٰ کا صرف دارالخلافہ (مدینہ منورہ) کے افراد پر مشتمل ہونا ایک عارضی اور ابتدائی مرحلہ تھا۔ زمان ومکان کی تبدیلی سے اور موجودہ حالات میں اسے بدلا جا سکتا ہے۔

* پاکستان کے موجود حالات جن میں صوبوں کی اہمیت غیر ضروری طور پر اہم بنا دی گئی ہے، جب تک اس کو توڑا نہیں جاتا، اس وقت تک بعض چیزوں میں مساوات مجبوری ہے۔ ویسے بھی ’مضبوط مرکز‘ اور ’طاقتور خلیفہ‘ کا تصور ہماری رائے میں شرعی مطالبہ نہیں بلکہ اس وقت کے حالات کا تقاضا تھا۔ ہمارے عہد میں جب حکام حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ جیسا کردار نہیں رکھتے، تو اختیارات کی تقسیم اور نچلی سطح تک منتقلی (Devolution of Power) میں کوئی حرج نہیں۔

* موجودہ دینی مدارس کا خاتمہ خلافِ حکمت ہوگا۔اس کی بجائے بہتر ہوگا کہ نظام تعلیم موحد (Integrated) ہو اور ثنویت سے پاک ہو۔سکول کی ۱۲ سالہ تعلیم عامۃ الناس کے لیے ایک ہی ہو جس میں اسلامی علوم کی تدریس و تربیت کا اہم حصہ ہو (لیکن جن طلبہ کو مستقبل میں دین کا عالم بننا ہو ان کے لیے خصوصی اسلامی سکولوں کی بھی اجازت ہو جیسا کہ ہم نے سعودی عرب میں مشاہدہ کیا تھا) اور پھر دینی مدارس کو (نصابات میں کمی بیشی کے بعد) اسلامی علوم کی تخصصی تعلیم کے ادارے قرار دے دیا جائے۔

* فرقہ واریت کا خاتمہ یقیناً ہونا چاہیے اور اس کے لیے ضروری انتظامی اور قانونی اقدامات کیے جانے چاہئیں۔

ڈاکٹر محمد غیاث (شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد)

* عصر حاضر میں اسلام کے سیاسی نظام کا آپ کا تیار کردہ خاکہ بہت اچھا ہے۔البتہ پاکستانی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں عمل درآمد کا پہلو قابل عمل نہیں لگ رہا ہے اور اگر ہو بھی جائے تو اس طریقے سے یہ کام ناممکن اور بے نتیجہ لگتا ہے۔

* اس کے لیے ہمیں قرآن کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔وہاں پر جن ۲۶ انبیاء کرام علیہم السلام کے دعوتی ماڈلز کا ذکر کیا گیا ہے ان کو سامنے رکھتے ہوئے سیرت طیبہ کی روشنی میں لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔شعبۂ تعلیم پر اس وقت مغربی افکار کی اجارہ داری ہے۔اس کے ساتھ ساتھ تعلیم ایک تجارت بن چکی ہے۔جب کہ آپ اس راستے سے اصلاح کی تمنا رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کام دعوت الی اللہ کے ذریعے ہوسکتا ہے۔جس میں تعلیم، تزکیہ اور تفہیم کے ساتھ کوئی عملی ماڈل بھی پیش کرنا ہوگا۔

* مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ کام افراد کر سکتے ہیں۔موجودہ جماعتوں سے اس کام کی توقع رکھنا مندر کو مسلمان بنانے کا مترادف ہوگا۔یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اسلامی ریاست کا قیام ووٹ کی پرچی سے کبھی نہیں ہوگا لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں ابھی تک اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

البرہان

٭ ہم نے عصر حاضر میں اسلام کے سیاسی نظام کا جو خاکہ تیار کیا تھا وہ پاکستان کے موجودہ حالات کے لیے نہیں تھا۔ اگرچہ ہم البرہان میں اس موضوع پر لکھتے رہتے ہیں کہ سارے علوم کی (خصوصاً علوم اسلامیہ اور عمرانی علوم کی) اسلامی ورلڈ ویو، اسلامی تصورِ علم اور عصری ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تشکیلِ نو (Reconstruction) ہونی چاہیے لیکن یہ خاکہ مرتب کرنے کا فوری خیال ہمیں اس وقت آیا جب ہم نے ایک کتاب میں پڑھا کہ جنرل ضیاء الحق نے جب اقتدار سنبھالا تو انہوں نے جماعت اسلامی کے وزراء سے کئی دفعہ مطالبہ کیا کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا کوئی مدون خاکہ انہیں مہیا کریں تا کہ وہ اس پر عمل کریں لیکن وہ انہیں کوئی ٹھوس چیز تیار کر کے نہ دے سکے اور جنرل صاحب مایوس ہو گئے۔ اس پر ہم نے سوچا کہ ایک طالب علمانہ کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے۔ ایک ڈرافٹ (مسودہ) جب موجود ہو گا تو ظاہر ہے اس میں کمی بیشی کر کے اہل علم اسے بہتر بنا سکتے ہیں۔ یہ خاکہ ان لوگوں کے لیے ہے جو صدقِ دل سے پاکستان میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے خواہاں ہوں اور وہ عوام کی حمایت سے برسرِ اقتدار آ کر اسلام کے صحیح سیاسی نظام پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

٭ یہ بات مَیں خود بھی عرصے سے کہہ رہا ہوں اور آپ کی رائے کی تائید مزید کرتا ہوں کہ اس کا صحیح طریقہ تعلیم و تزکیہ، دعوت و اصلاح اور ذرائع ابلاغ عامہ کا درست استعمال ہے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم غارت گرِ دین و ایمان ہے اور اس کے ذریعے کوئی مثبت اسلامی تبدیلی آ ہی نہیں سکتی۔ اسی لیے ہم نے اس نظامِ تعلیم و تربیت (اور دعوت واصلاح و میڈیا) کی اسلامی تناظر میں اصلاح اور تشکیلِ نو کے لیے بھرپور تجاویز اس مجوزہ خاکے میں دی ہیں کیونکہ ان کے بغیر معاشرے اور ریاست کی اسلامی تشکیلِ نو ممکن ہی نہیں۔

٭ ڈاکٹر غیاث صاحب کی یہ بات بھی صحیح ہے کہ موجودہ دینی اصلاحی و سیاسی جماعتوں سے اسلام کے سیاسی نظام کی مذکورہ خطوط پر تشکیلِ نو اور اس پر عمل درآمد کی توقع نہیں کی جا سکتی ۔موجودہ دینی جماعتوں میں نمایاں تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی ہیں۔ تبلیغی جماعت امت کے اجتماعی مسائل سے سروکار نہیں رکھتی اور جماعت اسلامی دعوت و اصلاح اور تعلیم و تزکیہ کے

راستے کو کب کی چھوڑ چکی۔ البتہ یہ کام اتنا بڑا ہے کہ محض چند افراد کی انفرادی کوششوں سے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے منظم تحریک یا ادارے کی قوت اور کوششیں درکار ہوں گی جس کے ہم داعی ہیں لیکن لوگوں کی سمجھ میں ابھی ہماری بات نہیں آرہی۔

جناب افتخار چوہدری (دانشور و سنیئر فارماسسٹ)

* 'البرہان' اہل علم کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ آپ نے جمود کو توڑنے کے لیے پہلا پتھر پھنکا ہے۔ ابھی دائرے بنیں گے اور باہم آپس میں ٹکرائیں گے، ہم آغوش بھی ہوں گے، پھر کچھ بات بنے گی۔

* جو لوگ اسلامی جمہوریت کے ذریعے نفاذِ شریعت کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کے پاس بھی دلائل ہیں لہٰذا آپ انہیں Negate نہیں کرسکتے۔

* آپ نے 'امارت اسلامیہ پاکستان' کی اصطلاح استعمال کی تو فوری طور پر میرے ذہن میں 'امارتِ اسلامیہ افغانستان' کی شبیہ بنی۔ ان کی بہت ساری پالیسیاں اب تک جو مَیں سمجھا ہوں دینی شعور کے خلاف ہیں مثلاً بچیوں کی تعلیم پر پابندی وغیرہ۔ باقی نظم مملکت چل رہا ہے، انہوں نے دو جنگیں لڑی ہیں۔ ان کے جذبۂ جہاد سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ انہوں نے دو عظیم سپر پاورز کو شکست دی ہے لیکن عہد جدید کے تقاضوں سے اعتناء برتنا اور دین کی ایک جہت پر اصرار کرنا اچھا نہیں ہے۔ مجھے آپ کا اس ماڈل کو پاکستان کے لیے ذکر کرنا عجیب لگا ہے وہ ماڈل یہاں نہیں چلے گا۔ یہاں کی اٹھان اور تعلیمی نظام ایسا نہیں ہے۔ اسلام عورت کو کیا کردار سونپتا ہے؟ اس پر بھی سوچنے کی ضرورت ہے بہرحال آپ کے کام کی مَیں دل سے قدر کرتا ہوں۔

البرہان

* البرہان میں ہم تفصیل سے کئی بار اس موضوع پر لکھ چکے ہیں کہ مغرب کے ہیومنزم، سیکولرزم، لبرلزم، کیپٹل ازم جیسے الحادی نظریات کی پیداوار جمہوریت بھی کفر ہے۔ خود مولانا مودودی نے مغربی فکر و تہذیب کو قیام پاکستان سے پہلے ''جاہلیتِ خالصہ'' کہا تھا۔ لہٰذا

جمہوریت اور اسلام کو یکجا کرنا گویا کفر و اسلام کو یکجا کرنا ہے جو نہ نظری طور پر ممکن ہے اور نہ عملی طور پر۔ چنانچہ مولانا مودودی نے پہلے ’’تھیوڈیموکریسی‘‘ اور پھر ’اسلامی جمہوریت‘ کی جو اصطلاح استعمال کی وہ نظری طور پر ایک غلط اجتہاد تھا اور اس کے عملی نتائج نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ قابل عمل بھی نہیں۔ چنانچہ ’اسلامی جمہوریت‘ کے نام پر مولانا مودودی، جماعت اسلامی اور ان کی دیکھا دیکھی جن دوسری دینی سیاسی جماعتوں نے سیاسی جدوجہد کے ذریعے پاکستان میں اسلام کو غالب کرنا چاہا وہ ناکام ہو گئے۔ ان کی کوششوں کے باوجود یہاں اسلام تو نہیں آیا البتہ مغرب کی الحادی فکر و تہذیب اور اس کے اصول و اقدار (سیکولرزم، لبرل ازم، مادہ پرستی، دین سے دوری وغیرہ) غالب آ گئے ہیں۔ اس کے باوجود دینی سیاسی جماعتوں کا اپنے لائحہ عمل پر اصرار کا کوئی جواز نہیں، نہ نقل کی رو سے اور نہ عقل کی رو سے۔

* چوہدری صاحب کو ہمارا اسلامی پاکستان کو ’’امارتِ اسلامیہ پاکستان‘‘ کہنا اچھا نہیں لگا اور اس میں انہیں ’امارت اسلامیہ افغانستان‘ کی تقلید نظر آئی ہے جبکہ وہ اس تقلید کے حق میں نہیں۔ چلیے آپ مستقبل کے اسلامی پاکستان کو ’امارتِ اسلامیہ پاکستان‘ کی بجائے ’’مملکت خداداد پاکستان‘‘ کہہ لیجیے یا کوئی اور اس سے ملتا جلتا نام دے لیجیے لیکن ’’اسلامی جمہوری پاکستان‘‘ بہرحال قابل قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ جمہوریت کا خلافِ اسلام ہونا بالبداہت واضح ہے۔

* چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ پاکستان کی اٹھان اور اس کا نظام تعلیم ایسا ہے کہ اسے افغانستان کی طرز کی ’امارت اسلامیہ‘ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلاشبہ افغانستان و پاکستان کے سیاسی، سماجی، تعلیمی حالات میں فرق ہے جس سے صَرفِ نظر ممکن نہیں لیکن چوہدری صاحب کو احساس ہونا چاہیے کہ پاکستان کا نظامِ تعلیم غیر اسلامی ہے اور اس کو ردّ کرنا اور توڑنا نہایت ضروری ہے۔ عصری نظامِ تعلیم سو فیصد مغرب زدہ ہے اور دینی مدارس کا نظامِ تعلیم زندگی کے اجتماعی پہلوؤں سے اعتناء نہیں کرتا لہٰذا ان دونوں کی اصلاح اور اسلامی تشکیلِ نو ضروری ہے۔

* چوہدری صاحب کی اس بات سے بھی ہمیں اتفاق نہیں کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق پر بھی از سرِ نو غور ہونا چاہیے۔ ہم ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جس طرح (مولانا مودودی اور) جماعت اسلامی نے مغرب کے سیاسی نظام (جمہوریت) کو اپنا لیا اسی طرح وہ

ہماری معاشرت پر مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے اثرات کو قبول کرنے کا رجحان رکھتی ہے۔ خود مولانا مودودی مخلوط تعلیم کے سخت خلاف تھے اور عورتوں کے مردوں کے ساتھ ملازمت یا اسمبلیوں میں مردوں کے ساتھ بیٹھنے کے قائل نہ تھے لیکن اب ان کی جماعت کے امیر حافظ نعیم الرحمٰن کراچی میں ''قابل بنو'' تعلیمی پروگرام میں ہزاروں مسلمان لڑکیوں کو کمپیوٹر کی تعلیم دے کر پاکستانی اداروں میں کھپانے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ فیا للعجب! البرہان میں ڈاکٹر ابصار احمد صاحب اور ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب جماعت کے اس رویے پر تنقید کر کے اسے غیر اسلامی قرار دے چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم معاشرے اور دینی جماعتیں مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے سیلاب کے آگے بند باندھنے میں ناکام ہو چکی ہیں اور مغرب کی معاشرتی اقدار (اور اس کے فیمنزم کو) قبول کرتے جا رہے ہیں۔ یہ چیز اصلاح کی طالب ہے نہ کہ قبولیت کی۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کے بعض احباب جاوید غامدی صاحب کی مغرب نواز بلکہ مغرب پرست فکر کو پسند کرتے اور اسے قبول کرنے کا رجحان رکھتے نظر آتے ہیں۔

پروفیسر عبدالخالق سہریانی (جنرل سیکرٹری ایوانِ علم و ادب پاکستان، کندھ کوٹ سندھ)

* اسلام کے سیاسی نظام کے حوالے سے آپ کا تفصیلی اور تحقیقی مقالہ نہایت ہی قابلِ غور اور قابل قدر ہے لیکن اس کے پیش کرنے کا مناسب وقت اور موجودہ حالات نہیں ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس کا فارسی یا عربی میں ترجمہ کر کے امارتِ اسلامیہ افغانستان کو ارسال کیا جائے جہاں اس کی اہمیت اور ضرورت بھی ہے۔

* آپ نے پاکستان کے علماء اور دینی جماعتوں سے اپنی تجاویز کے بارے میں رائے طلب کی ہے مگر میرے خیال میں ایسے مختصر جواب آپ کے احباب کی طرف سے تو ممکن ہے کہ آجائیں اور اس کا تجربہ بارہا ''البرہان'' میں آپ کی جانب سے شائع شدہ تحقیقی مقالات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ اس طرح کی فکر مندی جو آپ کو اور شاید چند حضرات کو ہو تو ہو، عام علماء اور اہلِ دانش کا اس طرف رجحان نظر نہیں آتا۔

* البتہ مجھے امید ہے کہ آج نہیں تو آگے ایسا وقت آنے والا ہے جب آپ کے زرین منصوبوں سے استفادہ کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

البرہان

* آپ نے بجا فرمایا کہ علماء کرام اور دینی جماعتیں اس قسم کے مباحث میں دلچسپی نہیں لیتیں۔ ہم اسے اپنی بدقسمتی کے سوا کیا کہیں؟ ہمارے علماء کرام اصولاً 'اجتہاد' کے استمرار کو تسلیم کرتے ہیں لیکن عملاً اجتہاد کرنے کو تیار نہیں، نہ وہ مدارس کے طلبہ میں اجتہادی فکر اور اس کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عملاً وہ تقلید اور وہ بھی اپنے اپنے مسلک کی تقلید ہی کو صحیح سمجھتے ہیں حالانکہ آج کی سہولتوں کے پیش نظر وہ اجتماعی اجتہاد کا بھی اہتمام کر سکتے ہیں جس میں خطا کا امکان مزید کم ہو جاتا ہے۔ ہمارے اکثر بڑے دینی مدارس میں تخصص فی الفقہ والافتاء کا کورس کرایا جاتا ہے لیکن اس میں تقابل بین المذاہب الاسلامیہ اور مغرب کے اصولِ قانون، اقوام متحدہ کے قوانین اور پاکستان کے قوانین کا مطالعہ نہیں کرایا جاتا۔ نہ انہیں استنباط و اجتہاد کی مشق کرائی جاتی ہے۔ ہمارے مدارس کے دارالافتاء میں اکثر استفتاء نکاح وطلاق اور وراثت کے مسائل سے متعلق ہوتے ہیں۔ دین بحیثیت نظام زندگی (یعنی اسلام کا سیاسی نظام، معاشی نظام، تعلیمی نظام، عدالتی نظام وغیرہ) وہاں زیر بحث نہیں آتا، کیونکہ مدارس میں ان مضامین کی تعلیم و تدریس و تحقیق کا رواج ہی نہیں۔ اسی طرح مغربی فکر و تہذیب (جو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے بڑا فتنہ اور چیلنج ہے) کا تنقیدی مطالعہ وہاں کرایا نہیں جاتا بلکہ وہاں تو انگریزی زبان بھی نہیں سکھائی جاتی کہ طلبہ جدید عصری علوم کا براہ راست مطالعہ کر سکیں۔ جب دینی مدارس کے طلبہ نے اسلام کے عمرانی علوم (قانون، معاشیات، سیاسیات، تعلیم، نفسیات، فلسفہ وغیرہ) وغیرہ پڑھے ہی نہیں تو وہ اس میں اجتہاد کیا کریں گے اور ان امور میں اسلام کا مغرب سے برتر ہونا کیسے ثابت کریں گے؟

اللہ کرے ہماری ان گزارشات پر علماء کرام، دینی جماعتیں اور تعلیمی وفاق غور کریں۔

ھذا من عندنا والعلم عند اللہ۔

تفہیم دین　　پروفیسر عبدالرحمٰن، ڈی جی خاں

بسلسلہ قادیانیوں کے بارے میں جاوید غامدی و عمار ناصر کا گمراہ کن موقف

مدیر البرہان بزدل ہے

[ہمیں پروفیسر صاحب کی آراء اور اسلوب سے اتفاق نہیں ہے۔ہمارا تبصرہ مضمون کے آخر میں دیکھیے۔مدیر]

مَیں نے البرہان کے اپریل کے شمارے میں آپ کا وہ مضمون پڑھا ہے جو آپ نے غامدی متجدد اور اس کے حمایتیوں کے بارے میں لکھا ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے مداہنت سے کام لیا ہے یا شاید آپ ان کے جوابی پروپیگنڈے سے ڈرتے ہیں کہ کھل کر نہیں لکھتے۔

۱۔مثلاً مذکورہ استفتاء میں سوال نمبر ایک کا جواب دیتے ہوئے آپ کہتے ہیں کہ علماء نے جاوید غامدی کی گمراہی کا فتویٰ دیا ہوا ہے لہٰذا آپ اس کی تکفیر نہیں کر سکتے اور آپ نے بات مفتیانِ کرام پر چھوڑ دی ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ قرآن وسنت پر مبنی اصول فقہ کا معروف قاعدہ ہے کہ جو کسی کافر کو کافر نہ کہے یا اس کے کفر کے بارے میں شک کرے تو وہ خود بھی کافر ہوجاتا ہے [۱]، لہٰذا جو قادیانیوں کے کافر ہونے کے باوجود انہیں کافر نہ کہے اور نہ مانے وہ خود بھی کافر ہے۔لیکن اس کے باوجود آپ نے جاوید غامدی کو کافر کہنے سے پہلو تہی کیا ہے۔

۲۔ استفتاء بھیجنے والے کا مقصد ہی یہ تھا کہ جاوید غامدی کے شاگردوں اور ان کے حمایتیوں کی نشاندہی کی جائے، ان کو معاشرے میں نمایاں کیا جائے، ان کو عام لوگوں سے چھانٹ کر الگ کر دیا جائے تا کہ سب کو خبر ہو جائے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو غامدی فتنے کی حمایت کرتے ہیں۔اور یہ واضح ہو جائے کہ گمراہ کی حمایت کرنے والا گمراہ اور کافر کی حمایت کرنے والا کافر ہوتا ہے لیکن آپ نے غامدی کے شاگردوں اور حمایتیوں کے نام لینے کی بجائے گول مول جواب دے دیا۔حالانکہ غامدی فتنے سے متعلق سب لوگ جانتے ہیں کہ پاکستان میں غامدی کا خاص شاگرد عمار خان ناصر ہے بلکہ عمار غامدی سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ غامدی تو گورنمنٹ کالج کا پڑھا ہوا ہے اور اس کے تجدد کو سب جانتے ہیں لیکن عمار تو مدرسہ نصرۃ العلوم

---

[۱] حوالہ جات کے لیے دیکھیے امام ابن تیمیہ، امام نووی، حنفی فقیہ علامہ الحصکفی کی درّالمختار، قاضی عیاض کی الشفاء اور سعودی اور شامی علماء کے فتاویٰ جات۔

گوجرانوالہ سے پڑھا ہوا ہے اور وہ امام اہلِ سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کا پوتا اور مولانا زاہد الراشدی صاحب جیسے بڑے دیوبندی عالم کا بیٹا ہے۔ وہ خود کو دیوبندی عالم باور کراتا ہے اور دیوبندی مدارس کے طلبہ کو متجدد بنانے کے لیے ایک امریکی عیسائی یونیورسٹی سے مل کر ''مدرسہ ڈسکورسز'' کے نام سے جدوجہد کر رہا ہے لہٰذا عمار خان ناصر جس طرح غامدی نظریات کی بالواسطہ طریقے سے حمایت کرتا ہے اس کا یہ مکروفریب عوام کے سامنے لانے کی ضرورت ہے تاکہ ساری دنیا کو پتا چل جائے کہ وہ پاکستان میں غامدی کا خلیفہ اور ایجنٹ ہے لیکن عوام کے غیض وغضب سے بچنے کی خاطر وہ غامدی کے ہر مؤقف کی کھلم کھلا حمایت نہیں کرتا بلکہ بالواسطہ، بچ بچا کر، حمایت کرتا ہے۔

یاد رہے کہ متجددین اکثر غیر مسلم حکومتوں اور ان کی گماشتہ مسلم حکومتوں کی سرپرستی اور معاونت سے کام کرتے ہیں۔ پاکستان میں غامدی صاحب کو مشہور کرنے کا کام بدنام زمانہ امریکی ایجنٹ جنرل مشرف کی حکومت نے کیا اور اب غامدی صاحب امریکہ کی مدد سے امریکہ ہی میں بیٹھ کر اسلام کا حلیہ بگاڑنے کا اور پاکستان میں تجدد یعنی امریکی اسٹائل اسلام پھیلانے کا کام کر رہا ہے۔ امریکہ میں اس کا نائب اور خلیفہ اس کا داماد حسن الیاس ہے جب کہ پاکستان میں اس کا نائب اور خلیفہ ڈاکٹر عمار ناصر ہے جس نے چند سال قبل غامدی صاحب کے پرچے 'اشراق' میں ایک ''تحقیقی'' مضمون میں یہ ثابت کیا تھا کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے مقابلے میں یہودیوں کا حق فائق ہے۔ پھر جب غازی ممتاز قادریؒ نے ملعون شاتمِ رسول سلمان تاثیر کو قتل کر دیا تو اس وقت بھی شاتم رسول کی معافی کے فقہی حوالوں سے عمار نے بہت گرد اڑائی تھی تاکہ دیوبندی حلقے ممتاز قادری کی حمایت نہ کریں اور قانونِ توہین رسالت کے بارے میں امریکی مؤقف کی حمایت کریں۔ آج کل وہ جاوید غامدی کی اس بات کی بالواسطہ حمایت کر رہا ہے کہ قادیانیوں کو کافر نہیں کہنا چاہیے اور یہ کہ ان کے ساتھ بہت ظلم ہو رہا ہے۔ غامدی صاحب کے دوسرے شاگردوں میں خورشید ندیم، ڈاکٹر خالد ظہیر، ڈاکٹر ساجد حمید، طالب محسن، رفیع مفتی وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ ایسے بعض علماء اور دانشور بھی ہیں جنھوں نے غامدی اور عمار ناصر کی فکر کو پاکستان میں مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اس کی وجہ ان کی یہ غلط فہمی یا ان کا یہ بہانہ ہے کہ

غامدی اور عمار ناصر کا علماء سے اختلاف معمول کا اختلاف ہے جس طرح کہ مثلاً احناف اور شوافع میں ہے یا حنفی دیوبندیوں کا حنفی بریلویوں سے ہے جب کہ یہ بات صریحاً غلط ہے۔ غامدی اور عمار ناصر کا امت سے اختلاف بنیادی امور میں ہے، قرآن وسنت، اجماع اور جمہور علماء امت کے تصور دین سے ہے۔ غامدی اور عمار کی فکر کی بنیاد یہ ہے کہ وہ متجدد ہیں اور دین کے ہر حکم کی وہ ایسی تشریح وتعبیر کرتے ہیں جو مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے مطابق ہو۔ وہ خود کو اہل قرآن کہلانے والے منکرین سنت کی طرح ہیں۔ قرآن کی صحیح تفہیم میں 'نظم' کو لازمی شرط قرار دیتے ہیں۔ سنت کی ایسی تعریف کرتے ہیں جس سے سارا موجودہ ذخیرۂ احادیث ناقابل اعتماد ٹھہرتا ہے۔ وہ غلام احمد قادیانی کی طرح جہاد کا انکار کرتے ہیں۔ قادیانیوں کو کافر نہیں کہتے، آمد مسیح کے منکر ہیں، اجماعِ امت کا انکار کرتے ہیں اور جمہور علماء امت کے تصورِ دین کو ردّ کرتے ہیں، اسلامی ریاست کے قائل نہیں وغیرہ وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارے اختلافات فروعی اور جزوی ہیں؟

غامدی اور عمار ناصر کے جمہور امت سے ان اختلافات کے باوجود عمار ناصر کو دینی حلقوں میں آگے بڑھانے اور ان کو مشہور کرنے میں اس کے والد مولانا زاہد الراشدی صاحب کا ہاتھ ہے۔ وہ خود ہر دینی معاملے میں اپنا رویہ اس طرح کا رکھتے ہیں کہ عام علماء سے دور نہ ہوں بلکہ ان کے لیے قابل قبول رہیں لیکن اندر سے غامدی اور عمار ناصر کو سپورٹ کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنا ادارہ 'شریعہ اکیڈمی' طویل عرصے سے عمار ناصر کے حوالے کر رکھا تھا۔ وہ ماہنامہ الشریعہ کا چیف ایڈیٹر تھا اور شریعہ اکیڈمی کا ڈپٹی ڈائریکٹر لیکن عملاً سربراہ اور کرتا دھرتا تھا۔ سالانہ دورۂ قرآن کے نام سے، جس میں سارے دیوبندی مدارس سے طالب علم آتے ہیں اور جس کے مدرسین میں جانشینِ اہلِ سنت حضرت اقدس مولانا زاہد الراشدی صاحب کا نام سر فہرست ہوتا ہے لیکن قرآن وسنت کے پرچم تلے اس میں سارا کام عمار ناصر اپنا تجدد پھیلانے کا کرتا تھا۔ چند ماہ پیشتر علماء کے بار بار اصرار پر مولانا زاہد الراشدی نے مجبوراً عمار ناصر کا نام رسالے کی چیف ایڈیٹری سے ہٹا دیا لیکن عملاً اب بھی شریعہ اکیڈمی پوری طرح عمار اور اس کے ساتھیوں کے قبضے میں ہے کیونکہ وہ اب بھی ماہنامہ ''الشریعہ'' کی مجلس مشاورت میں شامل ہے، اس کے مضامین بھی الشریعہ میں شائع ہوتے ہیں۔ مجلس مشاورت اور مجلس ادارت میں

سارے نام وہی ہیں جو عمار ناصر کے عہد ادارت میں تھے۔ غرض ماہنامہ 'الشریعہ' اور 'الشریعہ اکیڈمی' اب بھی عمار ناصر کے متجددانہ نظریات پھیلانے کے لیے کام کر رہی ہے اور اگر مولانا زاہد الراشدی صاحب سے پوچھا جائے تو وہ بڑے پیار اور نرمی سے فرماتے ہیں کہ ان کے اور غامدی صاحب اور ان کے اور عمار ناصر سے اختلافات تو ہیں لیکن اختلافات تو اہل علم میں ہوتے رہتے ہیں انہیں برداشت کرنا چاہیے کہ یہی حقیقی علماء کا شیوہ ہے۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب کے علاوہ عمار ناصر کے حمایتیوں میں فیصل آباد کی جامعہ امدادیہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد زاہد صاحب ہیں۔ یونیورسٹیوں میں ان کے حامی پروفیسروں میں سے لاہور سے ڈاکٹر سمیع اللہ فراز، ڈاکٹر مبشر حسین لاہوری، صاحبزادہ امانت رسول۔ اسلام آباد سے ڈاکٹر محمد مشتاق، ڈاکٹر سید متین احمد، ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری۔ سیالکوٹ سے ڈاکٹر طیب عثمانی۔ کراچی سے ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ بات سب پر واضح رہنی چاہیے کہ یہ لوگ جو عمار ناصر سے دوستی رکھتے ہیں اور اس کی فکر و آراء کی تحسین و تائید کرتے ہیں یہ درحقیقت غامدی کے موید ہیں۔ یہ دراصل تجدد کے حامی ہیں۔ ان میں سے بہت سوں کو اس کا شعوری احساس بھی ہے لیکن ممکن ہے چند ایسے بھی ہوں جو 'ھم لا یشعرون' کی کیٹگری کے ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

مغرب کی سیاسی فکر کو 'اسلامی جمہوریت' کے عنوان سے اور مغرب کی معاشی فکر کو 'اسلامی بینکنگ' کے نام سے قبول کر کے مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی پاکستان میں تجدد کی راہ ہموار کی ہے لیکن ان کے بارے میں تفصیلی گفتگو پھر کبھی۔

البرہان

ہم سمجھتے ہیں کہ افراد کی بجائے ایشوز پر گفتگو ہونی چاہیے اور سنجیدگی اور متانت سے ہونی چاہیے۔ جب ہم ایسا کرتے ہیں تو اس کا مطلب مداہنت نہیں ہوتا جیسا کہ پروفیسر صاحب نے ہمیں طعنہ دیا ہے۔ خود انہوں نے جس طرح لٹھ مار انداز میں گفتگو کی ہے، اس کو کتنے لوگ پسند کریں گے؟ نیز راقم اگر کہتا ہے کہ وہ مفتی نہیں ہے اور وہ فتویٰ نہیں دیتا تو اس میں غلط کیا ہے؟ یا اس میں مداہنت کی کیا بات ہے؟

تفہیم دین

ڈاکٹر طفیل ہاشمی [1]

امت کی نشأۃ ثانیہ

قرآن وسنت سے جڑنے اور جدیدیت وفرقہ پرستی چھوڑ کر امت کی نشأۃ ثانیہ کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے

کہوں تو گردشِ لیل و نہار رُک جائے
وہ راز جن سے بہت غم اٹھائے ہیں مَیں نے

قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس کی تعلیمات نے عرب کے اجڈ بدوؤں کو دنیا کے تمدن کا نشان منزل بنا دیا تھا۔ یہ درحقیقت ایک گائیڈ بک ہے جس کے مطابق انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی زندگی استوار کر لینے کے بعد دنیا اور آخرت میں کسی نوع کی تشنگی یا ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بے وجہ نہیں تھا کہ دنیا کے قدیم ترین لٹریچر میں کلکی اوتار (رسول عربی) کی بشارت دی گئی اور مہاتما بدھ نے آخری الفاظ یہی کہے کہ میرے بعد ایک اور بدھا آئے گا جو سارے عالم کے لیے رحمت ہوگا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ذمہ سب سے بڑا پیغام یہی تھا کہ ﴿مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ یہی وجہ تھی کہ یہود کے کئی قبائل دار الہجرۃ میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور اپنے مخالفین کو آنے والے کی دھمکی دیا کرتے تھے لیکن ہوا یہ کہ ان کی توقع پوری نہ ہوئی اور وہ حسد اور بغی کا شکار ہو کر جانی دشمن ہو گئے۔ زندگی میں تو کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن اہلِ علم تھے اس لیے جانتے تھے کہ اصل طاقت پیغام میں ہے اگر اسے کرپٹ کر دیا جائے تو اس کی اثر آفرینی ختم کی جا سکتی ہے۔ الفاظ پر تو بس نہیں چلا لیکن کتنے تھے جنھوں نے بظاہر اسلام کی ردا اوڑھ لی اور خود ساختہ روایات کے ذریعے الوہی پیغام کو آلودہ کرنا شروع کر دیا۔ الہامی پیغام کو سب سے پہلے اسرائیلی روایات نے مکدر کیا جس کے اثرات آج تک باقی ہیں۔

اس کا ردعمل بھی بہت پہلے شروع ہو گیا تھا لیکن ہمارے عہد تک آتے آتے نوبت یہاں

[1] سابق ڈین علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تک آن پہنچی کہ قرآنی الفاظ کی عملی تبیین جو قرآن کی بہ نسبت کہیں زیادہ تسلسل سے امت میں منتقل ہوتی رہی، بدل دی گئی۔ روایات سے جان چھڑانے کے شوق میں ڈکشنری کی مدد سے مصطلحات دین کے معانی بھی تبدیل کر دیئے گئے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اس طرز عمل کے ذریعے ایسی روایات سے قرآن کی تفسیر کو پاک کر دیا جاتا جو قرآنی مفہوم اور اس کی نبوی تبیین کو بدلنے کا باعث ہیں، الٹا نبوی تبیین کو بدل کر ایک ایسی خود ساختہ تبیین کر دی گئی جسے کسی قسم کی علمی تائید حاصل نہیں ہے اور نبوی تبیین پر اصرار کرنے والوں کو تارک قرآن باور کروایا گیا۔

میری غیر جانبدارانہ رائے یہ ہے کہ قرآن فہمی کی یہ ساری روایت سوختنی نہیں ہے لیکن جن افکار پر اس روایت کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ الوہی روایت کا تسلسل نہیں ہیں اور نہ نتیجہ خیزی کے ضامن۔ اگر اتنی محنت لوگوں کو یہ باور کروانے کی بجائے کہ اب تک کی امت مسلمہ قرآن کے حقیقی مفہوم سے بے خبر تھی قرآن کے خالص نبوی تبیین کے مفہوم اور تحریفی تفسیر کو رد کرنے پر صرف کی جاتی تو دنیا وآخرت میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی۔

دوسری طرف احادیث کی چند مستند تالیفات کی آڑ میں امت مسلمہ کو گم کردہ راہ بتانے کی مشق زور شور سے جاری ہے اور یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ جو عمل بخاری اور مسلم کی روایات کے مطابق نہیں ہے وہ مردود ہے جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ احادیث کی معروف کتب بلاشبہ اسلامی ادبیات کی مایہ ناز تالیفات ہیں لیکن ان کے مولفین نے بڑی وضاحت سے بتایا ہے کہ ہم نے ان کتب میں صحیح روایات کے اندراج کا اہتمام کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو روایات ہم نے درج نہیں کیں وہ درست نہیں تھیں۔ مزید یہ بھی کہ ان مولفین نے نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے معیار انتخاب پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اپنے معاصر مولفین کی بعض شرائط پر واضح الفاظ میں تنقید بھی کی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی علمی عظمتوں کے باوجود ایک دوسرے کی شرائط اخذ وقبول کو معیار نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ہم ان تالیفات کے پسِ منظر کو سامنے رکھیں تو ہم ان کا صحیح مقام متعین کر سکتے ہیں۔ جس دور میں یہ کتابیں مدون کی گئیں اس میں دو طرح کے رجحانات تھے ایک یہ کہ احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا جس میں ہر قسم کی رطب و یابس

اور غث وسمین روایات موجود تھیں اور ان کی درجہ بندی آسان نہیں تھی۔ دوسرے مشرقی ممالک میں سرکاری طور پر فقہ حنفی کی بالادستی کی وجہ سے ان احادیث کے بارے میں منفی سوچ پیدا ہوگئی تھی جو فقہ حنفی کے مستدلات میں شامل نہیں تھیں۔ صحاح ستہ کے مولفین کے سامنے یہ دونوں مقاصد تھے کہ ایسے مجموعے تیار کیے جائیں جو ایک طرف مردود، موضوع اور ضعیف روایات سے نجات کا ذریعہ ہوں تو دوسری طرف اس تاثر کو دور کردیں کہ احادیث یا سنت صرف فقہ حنفی کی پشت پر ہے۔ اسی لئے انہوں نے بالخصوص عبادات میں ان روایات کے اندراج کو اہمیت دی جن کا فقہ حنفی کی بالادستی کے علاقوں میں زیادہ چلن نہیں تھا۔ دراصل یہ احادیث میں اختلاف تنوع کے بیان کی کوشش تھی جیسا کہ ترمذی کی تالیف مکمل طور پر اسی مقصد کی ایک شعوری کوشش ہے اور کہیں کہیں یہ حنفیت کی بالادستی کے خلاف ردعمل کا اظہار بھی تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں اس کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ ان تالیفات کو آپ جس طرح پیش کر رہے ہیں، اس مشق ستم کے دو نتائج بدیہی ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﴿اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ۝﴾ میں شامل ہوکر بے نام ونشان ہوجائیں گے۔ یہ بات کوئی نہیں مانے گا کہ دنیا کی دوتہائی سے زائد آبادی ہمیشہ نبوی طریقے کے خلاف نماز پڑھتی رہی۔

دوسرے یہ کہ ان محدثین کے عہد سے لے کر آج تک ان کی تالیفات کی خامیاں اور ان کی شخصیات کی خوردہ گیری پر بے تحاشہ لٹریچر موجود ہے جس کا بڑا حصہ یوٹیوب پر دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ کی گفتگو کے ردعمل کے طور پر اگر ان اجلہ محدثین کی شان میں کسی نے بھی گستاخی کی تو اس کا سبب آپ بنیں گے اور خیر وشر کا سبب بننے والا برابر کا شریک ہوتا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اپنی گوناگوں صلاحیت کو فرقہ واریت کو پروان چڑھانے کے بجائے امت مسلمہ کی نشأۃ ثانیہ کے لیے وقف کریں۔ ﴿اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ﴾۔

تفہیم دین

ادارہ

خدا اور حجام

بوڑھے آدمی نے اطمینان سے بسم اللہ پڑھی اور حجام کی کرسی پر بال کٹوانے کے لیے بیٹھ گیا۔ بوڑھے کے چہرے پر موجود نرم مسکراہٹ سے حجام کو بات چیت کا حوصلہ ہوا۔۔۔حجام نے کہا دنیا میں بہت سے مذاہب خدا کو مانتے ہیں لیکن میں خدا کے وجود کو نہیں مانتا۔مسلمان بوڑھے نے پوچھا: کیوں نہیں مانتے؟ حجام نے کہا دنیا میں بہت پریشانیاں، مصیبتیں، بدحالی اور افراتفری ہے۔اگر خدا کا وجود ہوتا تو یہ سب مصیبتیں اور پریشانیاں بھی موجود نہ ہوتیں۔

بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا میں بھی اس دنیا میں حجام کے وجود کو نہیں مانتا۔حجام نے پریشان ہو کر پوچھا: ''کیا مطلب؟'' میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ بوڑھے نے حجام کی دکان سے باہر گزرتے ایک گندے اور لمبے بالوں والے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا: کیا تم اس شخص کے لمبے اور گندے بال دیکھ رہے ہو؟ حجام نے کہا جی ہاں۔لیکن اس کا میری بات سے کیا تعلق؟ بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا: ''اگر'' حجام ہوتے تو لمبے اور گندے بالوں والے لوگ بھی نہ ہوتے۔حجام نے کہا: ہم موجود ہیں، لیکن ایسے لوگ ہمارے پاس نہیں آتے! بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا بالکل۔خدا بھی موجود ہے لیکن لوگ ہدایت کے لئے خدا کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

تفہیم مغرب

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

جمہوریت کی حقیقت

جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی سیاسی اور معاشرتی تنظیم اور حقوقِ انسانی کے نفاذ کا آلہ کار ڈھانچہ ہے۔ جمہوریت ایسا تنظیمی ڈھانچہ ہے جو جبر کا ایک ایسا ماحول وضع کرتا ہے کہ فرد اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کو ترک کر کے صرف اپنی خواہش اور سرمائے کی بندگی کرے۔

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ مغرب کا ایک خاص تصورِ انسان ہے جس کے مطابق انسان قائم بالذات ہے اور وہ ان معنوں میں آزاد ہے کہ اپنے لیے خیر وشر کے پیمانے خود وضع کر سکتا ہے۔

تاریخی طور پر جمہوریت کا تصور کئی سو سال قبل از مسیح بھی موجود تھا۔ افلاطون کی ''ریپبلک'' جمہوریت ہی کی ایک شرح ہے۔ یونان اور سلطنت روما کے مختلف ادوار میں بھی جمہوریت رائج رہی۔ پھر ایک عرصے تک یورپی ممالک میں بادشاہت قائم رہی مگر ایک بات جو نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ کہ جمہوریت کبھی بھی کسی مذہبی معاشرے سے وابستہ نہیں رہی۔ اس لیے کہ جمہوریت کا ڈھانچہ ایسا ہے کہ یہ صرف مذہب مخالف معاشروں سے ہی وابستہ ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جمہوریت منکر اللہ ورسول معاشروں کی حکومتی اور ریاستی صف بندی کا ایک خاص طریقہ ہے۔ جدید دور کی جمہوریت کا ایک خاص پس منظر اور اس کا ایک خاص تصورِ انسان ہے۔

جناب زاہد صدیق مغل کے بقول:

''جمہوریت کو علمی بنیادیں فراہم کرنے کے سلسلے میں تھامس ہابس (Thomas Hobbas,1588 ـ 1679ء)، جان لاک (John Locke,1632 ـ 1704ء) اور جاک روسو (Jacques Rousseau,1712 ـ 1778ء) کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نظام حکومت کی بنیاد ایک خود مختار (Autonomy)، آزاد (Free) اور قائم بالذات (Self-determined) تصور فرد پر قائم ہے۔ اس تصور انسان کو ہیومن کہتے ہیں۔ یعنی یہ ایک ایسا ریاستی نظام ہے جس میں حکومت کا مقصد افراد کی زیادہ سے زیادہ آزادی کو ممکن بنانا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی زیادہ سے زیادہ خواہشات کو جیسے وہ چاہیں پورا کر سکیں۔

جمہوری سسٹم کی پہلی بنیاد انتخابات ہیں جن میں مختلف لوگ امیدوار بنتے ہیں کہ وہ پارلیمنٹ کے ممبر بنیں گے۔ ریاست کے افراد انہیں مساوی بنیادوں پر ووٹ دیتے ہیں، یعنی مرد وعورت، عالم وجاہل زاہد ومتقی اور چور ڈاکو، زانی، شرابی سب مساوی بنیادوں پر اپنے اپنے امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں۔ امیدوار بھی انتخابات میں مساوی حیثیت میں حصہ لیتے ہیں اس لیے کہ پارلیمنٹ کا رکن ایک شیخ الحدیث بھی بن سکتا ہے اور چور اچکا، منافع خور، اسمگلر اور قاتلوں کا سرغنہ بھی رکن بن سکتا ہے...... الیکشن کے بعد جو لوگ پارلیمنٹ میں جاتے ہیں وہ پہلے ایک دستور وضع کرتے ہیں (یا پہلے سے ایک وضع شدہ دستور ہوتا ہے جو اصلاً انسانی حقوق کے تابع ہوتا ہے) پھر اسی دستور کی روشنی میں قانون سازی کی جاتی ہے۔ اس سارے عمل میں کتاب اللہ کا کوئی رول نہیں ہوتا۔

گو کہ پاکستان کے دستور میں ایک قراردادِ مقاصد کے ذریعے پارلیمنٹ کتاب وسنت کی روشنی میں قانون سازی کی پابند ہے مگر اس حقیقت سے جائے فرار نہیں کہ قراردادِ مقاصد کی حیثیت محض ایک ''علامت'' کی ہے۔ پھر اس میں بھی آزادیٔ فرد کے تمام تصورات کو اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ بالآخر حقوق انسانی کا کافرانہ ومشرکانہ چارٹر ہی بالا دست ٹھہرتا ہے۔

جمہوری سسٹم میں بیوروکریسی یا انتظامیہ (محکمہ جاتی افراد، پولیس، فوج) اور عدلیہ، یہ تمام حکومتی طبقے سرمایہ دارانہ تصورات اور سرمایہ دارانہ عدل کے قیام ونفاذ کے ضامن ہوتے ہیں۔ یوں جمہوری سسٹم کے ذریعے سرمایہ دارانہ جبر کا ماحول پروان چڑھتا ہے جہاں ہر انسان اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ:

☆ مذہب کو اپنی اجتماعی زندگی سے نکال کر انفرادی زندگی تک محدود کر دے۔

☆ عبادت الٰہی کو حتی الامکان کم وقت دے اور سرمائے کی بڑھوتری کے لیے زیادہ وقت صَرف کرے۔

☆ اپنے معاشرتی تعلقات کو محدود کر دے۔

☆ دینی تعلیمات کو سیکھنے کی بجائے سوشل سائنسز کو فوقیت دے تاکہ وہ سرمائے کی بڑھوتری میں زیادہ بہتر انداز میں شمولیت کر سکے۔ دینی مدارس میں اصلاحات کے لیے مغربی

ممالک کا دباؤ اور مدارس میں سوشل سائنسز اور کمپیوٹر سائنسز کو داخل کرنے کا مطالبہ اسی لیے ہے کہ وہ علماء کو اور طلبہ کو بے کارِ محض سمجھتے ہیں اور انہیں ''کارآمد'' بنانے کے لیے اس قسم کی اصلاحات پر زور دیتے ہیں۔ ایک طرف تو یہ بات ہے دوسری طرف یہ مقصد بھی ہے کہ مدارس کے نظام میں دخل اندازی کرکے وارثانِ محراب ومنبر کو توکل، قناعت اور زہد وتقویٰ کی راہ سے ہٹا کر مادیت کا پرستار بنا دیا جائے۔

اس تفصیل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جمہوریت اپنے مآخذ کی بنیاد پر اسلام سے مکمل طور پر متصادم اور باطل نظریہ ونظام ہے۔ اس نظام میں حصہ لینا، ووٹ دینا اور لینا مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر درست نہیں۔

جمہوریت عبدیت کا انکار ہے

جمہوری حکومت کی پہلی بنیاد حاکمیتِ عوام ہے، جمہوریت کی تعریف ہی یہ ہے: Goverment of the people, by the people, for the people. یعنی ''عوام کی حکومت عوام کے ذریعے عوام کے لیے'' ...... یہ جمہوریت کا پہلا بنیادی اصول ہے۔ جو کھلا کلمۂ کفر ہے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار کے انکار کے علاوہ انسان کی بندگی کا بھی اقرار ہے۔ دوسرے لفظوں میں حاکمیتِ انسان کا مطلب انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

- ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (الاعراف ۷: ۵۴)
- ﴿لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص ۲۸: ۸۸)
- ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖۤ اَحَدًا﴾ (الکہف ۱۸: ۲۶)
- ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ﴾ (یوسف ۱۲: ۴۰)

ان آیات کے علاوہ بھی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہی حکم وحکومت کی سزاوار ہے۔ قانونِ شریعت میں انسان اللہ کا بندہ اور خلیفہ ہے، اسے یہ حق نہیں کہ خود خدا بن بیٹھے۔ بہرحال ان آیات کی روشنی میں جب ہم جمہوری عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجہ ذیل قباحتیں سامنے آتی ہیں:

جمہوریت شرک فی الحکم ہے

شارع اور مقنن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انسان عبد ہونے کے ناطے اس بات کا پابند ہے کہ وہ قوانینِ شریعت کو بلا چوں و چرا تسلیم کرے اور ان پر عمل درآمد کرے۔ انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ خود قانون ساز بن کر بیٹھ جائے اور حاکمیتِ الٰہ میں شریک ہو جائے۔ ایسا کرنا شرک فی الحکم ہے۔ (یہ بات یاد رہے کہ یہ بات شرک جب ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود والٰہ بھی مانتا ہو، اگر وہ حاکمیتِ انسان کا یہ مطلب لے کہ ذات باری تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں وہ خود ہی حاکم ہے تو یہ کفر/ دہریّت ہے)۔

قرآن مجید میں شرک کے بارے میں فیصلہ ہے کہ:

- ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان ۳۱: ۱۳)

"بے شک شرک ظلمِ عظیم ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَايَغْفِرُ اَن يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَن يَّشَآءُ﴾ (النساء ۴: ۱۱۶)

"بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

جمہوریت انسانوں کو یہ حق فراہم کرتی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعے اپنی حاکمیت کو قائم کریں، پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے بھیجیں اور قانون سازی کریں چنانچہ یہ عمل شرک ہونے کے سبب باطل ہے۔

الٰہی نظام سے بغاوت کا سرچشمہ

حق آزادی: جمہوری قوانین کے ماخذ انسانی حقوق کے چارٹر میں انسانوں کا پہلا حق آزادی (Freedom) کو تسلیم کیا گیا ہے۔ آزادی کا یہ حق انسانی حقوق کا بہت خاص حق ہے اور ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ آزادی (اللہ تعالیٰ سے بغاوت، راہِ بندگی سے فرار) کی راہ میں

کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ آزادیٔ رائے، آزادیٔ اظہار، آزادیٔ مذہب وعقیدہ، آزادیٔ نسواں اور کئی دیگر قسم کی آزادیوں کو اس ایک فارم (form) میں سمو دیا گیا ہے۔ چنانچہ جمہوری پارلیمنٹ میں جو بھی قانون سازی کی جاتی ہے وہ آزادی کی تمام اقسام کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے۔ ہم یہ بتا آئے ہیں کہ انسانی حقوق کے چارٹر میں انسانوں کو دی گئی آزادی کا مطلب انکارِ بندگی کے سوا کچھ نہیں۔

قرآنی فکر کے مطابق انسان آزاد نہیں ہے، وہ بندہ ہے اللہ وحدہ لاشریک کا، چنانچہ اسے حکم ہے کہ وہ اسی کی بندگی کرے، بندگی بھی ایسی جس میں غیر اللہ کی بندگی کا شائبہ بھی نہ ہو۔

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (التوبہ ۹:۳۱)

''انہیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ﴾ (البیّنہ ۹۸:۵)

''اور نہیں حکم دیئے گئے مگر یہ کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں اس کی خالص طاقت کے ساتھ بالکل یکسو ہو کر''۔

اسی طرح قرآن مجید میں دیگر کئی مقامات پر اپنی بندگی کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ قرآنی احکام کے بعد کہیں اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اسلام کے دائرے سے ہٹ کر کسی دوسرے نظام کی طرف اور کسی قسم کے ''ازم'' کی طرف نگاہِ التفات کی جائے۔ انسان کو اگر آزاد اور خود مختار تصور کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ رب کا بندہ نہیں رہا تو شیطان کا بندہ ہے۔

مساوات: انسانی حقوق کا دوسرا رکن مساوات (Equality) ہے۔ مساوات کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ مرد و عورت، عالم و جاہل، بدکار و نیکوکار، ایک ڈاکو اور متقی انسان سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں۔ اسی معنی میں ہر انسان کا ووٹ برابر ہے، ہر انسان پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا اہل ہے اور ہر انسان ترقی کے عمل میں شریک ہو سکتا

ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی چارٹر کے مطابق تمام انسان قانون کی نظر میں برابر ہیں جبکہ اسلام میں مساوات کا ایسا کوئی تصور نہیں۔ اسلام مرد اور عورت میں فرق کرتا ہے۔ وہ ذمّی اور معاہد میں فرق کرتا ہے، وہ عالم اور جاہل میں فرق کرتا ہے۔ اسلام ہر شخص کے ہر موضوع پر رائے دینے کا قائل نہیں۔ مرد بیک وقت چار شادیاں کرسکتا ہے عورت نہیں۔ مرد طلاق دیتا ہے عورت نہیں۔ جمہوریت کا نصابی صحیفہ ''انسانی حقوق کا چارٹر'' ہر انسان کو حق دیتا ہے کہ وہ اپنے لیے جیسا چاہیں خیر وشر کا پیمانہ تجویز کر سکتے ہیں۔ قرآن ان تمام تصوراتِ مساوات کو رد کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (الزخرف ۴۳:۳۲)

﴿لَا يَسۡتَوِىۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقٰتَلَ ؕ﴾ (الحدید ۵۷:۱۰)

﴿لَا يَسۡتَوِىۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَاَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ؕ﴾ (الحشر ۵۹:۲۰)

﴿هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴾ (الزمر ۳۹:۹)

چنانچہ مساوات کی مندرجہ بالا فکر اسلام سے مکمل طور پر متصادم اور باطل ہے۔

ترقی: انسانی حقوق کے چارٹر کا تیسرا بنیادی رکن ترقی (Progress) ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ علمیت کے پاس موت کے بعد زندگی کا کوئی تصور نہیں اس لیے انسان کی تمام تگ ودو کا محور یہی دنیوی زندگی ہے۔ چناں چہ انسانی حقوق کے چارٹر کے مطابق ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنے اور سامانِ تعیش حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس معنیٰ میں ترقی کا مطلب سرمائے کی بڑھوتری برائے بڑھوتری کے عمل کو تیز تر کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ بینک اور اسٹاک ایکسچینج اسی بڑھوتریٔ سرمایہ اور حرص وحسد کے فروغ کے ادارے ہیں۔ تکاثر کا عمل دہرایا جاتا ہے۔ سود، سٹہ، جوا، دھوکہ فریب اور ٹیکسز سرمایہ دارانہ معیشت کا خاص ہتھیار ہیں۔ ان اداروں سے وابستہ افراد کی زندگی کا محور ومقصد محض پیسہ ہوتا ہے اور وہ ہر اس طریقے کو اختیار کرتے ہیں جس کے ذریعے سرمایہ اکٹھا ہو سکے۔

اسلام اس طرز فکر کو مکمل رد کرتا ہے۔ قرآن مجید دنیوی زندگی کو اس معنی میں اہمیت نہیں دیتا کہ انسان لذات کے حصول اور خواہشات نفس کی تکمیل میں لگ کر اپنے مقصدِ اصلی کو بھول

جائے۔اور زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی ہوس میں مبتلا ہو جائے، بلکہ وہ دنیوی زندگی کو لہو ولعب، دھوکہ وفریب قرار دیتا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِیۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَكُوۡنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٌ ؕ وَمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿20﴾﴾ (الحدید ۵۷:۲۰)

”جان رکھو! دنیا کی زندگی......لہو ولعب، زینت اور مال واولاد کے معاملے میں باہمی تفاخر وتکاثر ہے (اس کی) مثال بارش کی ہے جس کی اگائی ہوئی فصل کافروں کے دل موہ لے پھر وہ بھڑک اٹھے اور تم اسے زرد دیکھو اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور آخرت میں ایک عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔“

تکمیل دین کا انکار

قرآن مجید میں فرما دیا گیا ہے:

﴿ ؕ اَلۡیَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِیۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾ (المائدہ ۵:۳)

اکمالِ دین اور اتمام نعمت کے بعد کافرانہ نظام حکومت کو اپنی اجتماعی زندگی کا حصہ بنانا اور اس پر مداومت اختیار کیے رکھنا تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کا انکار ہے۔ تکمیل دین واتمام نعمت کا مطلب ہی یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آغاز ہونے والے دینِ اسلام کا سلسلہ تدریجی مراحل طے کرتا ہوا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر اپنے اوج کمال کو پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی آخرت کتابِ ہدایت نازل کر دی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ ہمارے نزدیک عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تھا جو آپ کی حدیث مبارکہ ”خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم“ کا عین

مصداق تھا۔

تمام مسلمانوں کے لیے دین اسلام کی صورت میں ایک خاص طریقہ اور ضابطۂ حیات متعین کر دیا گیا ہے۔ اب اس ضابطے سے باہر نکلنا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ﴾ (الشوریٰ۔ ۱۳)

''اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اس نے نوح کو فرمائی اور جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ مشرکین پر وہ چیز شاق گزر رہی ہے جس کی طرف تم نے ان کو دعوت دے رہے ہو۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (الجاثیہ:۱۸)

''پھر ہم نے تم کو ایک واضح شریعت پر قائم کیا تو تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔''

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے طریقۂ زندگی، ضابطۂ حیات، دائرۂ کار، خواہ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاملات، قانونِ شریعت ہی ہے، اس سے انحراف کی راہیں تلاش کرنا اور کسی دوسرے طریقۂ زندگی کو پسند کرنا جائز نہیں۔

ہمارے خیال میں سرمایہ دارانہ نظام میں شمولیت اختیار کرنے اور اس پورے نظام کو اس طرح اپنے اوپر حاوی کر لینا کہ شریعت معطل ہو جائے، احکام دین کھلم کھلا پامال ہونے

لگیں اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا جانے لگے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہندو ہو جائے، عیسائیت قبول کر لے یا بدھ مت اختیار کر لے۔ اس لیے کہ جمہوری نظام کو قبول کرنے اور اس پر مداومت اختیار کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ شریعت اب چند اجزاء مثلاً عبادات کے علاوہ اور کچھ قابلِ عمل نہیں اور خلافت کا ادارہ ناقابلِ قیام ہے۔ ظاہر ہے یہ فکر اور طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں سندِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾﴾ (آل عمران: ۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا۔''

آخرت کی نامرادی اور خسارہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت بھی ایک دوسری جگہ ارشاد فرما دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿115﴾﴾ (النساء: ۱۱۵)

''اور جو کوئی راہِ ہدایت واضح ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے گا تو ہم اس کے بعد اس کو اسی راہ پر ڈالیں گے جس پر وہ پڑا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

جمہوری نظام کفار کا طرزِ حکومت و سیاست ہے چنانچہ غیر سبیل المؤمنین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت آچکنے کے بعد کوئی دوسری راہ اختیار کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے مؤمنین کے راستے سے الگ راہ نکالنا اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرک ہے اور شرک ہر طرح کی برائیوں کا منبع ہے کیونکہ مشرک اللہ سے کٹ کر اپنی باگ شیطان کے ہاتھ میں پکڑا دیتا ہے اور جو شخص اپنی باگ شیطان کے ہاتھوں میں تھما دے وہ معاشرے کا بدترین انسان ہوتا ہے۔

غیر سبیل المؤمنین کے شرک ہونے کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں مذکورہ آیت ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ ....﴾ کے فوراً بعد فرمایا گیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝116﴾ (النساء ۴:۱۱۶)

''بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے نیچے جس چیز کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

اکثریتی بنیادوں پر فیصلوں کا باطل فلسفہ

جمہوری سسٹم میں فیصلوں کی بنیاد کتاب اللہ، علم وحکمت نہیں بلکہ اکثریت جس چیز کو چاہے اس چاہت اور خواہش کی بنیاد پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ جس امیدوار کو زیادہ ووٹ مل جائیں خواہ کس قدر کرپٹ آدمی ہو مگر دوسری طرف کوئی شریف امیدوار تھا اور اہل آدمی بھی ہے تب بھی مقابلے میں چوں کہ پہلا شخص زیادہ ووٹ لے چکا ہے اس لیے وہی کامیاب کہلائے گا۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں بھی قوانین اکثریت کی بنیاد پر مرتب کیے جاتے ہیں۔ اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کا انعقاد بہت بڑی گمراہی اور ضلالت ہے، پھر جب اکثریت جہلِ مرکب ہو تو اس کی گمراہی وضلالت میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔ یہ اکثریت جب پارلیمنٹ میں قوانین مرتب کرے گی تو اپنی افتادِ طبع، نفسانی خواہشات اور جہالت کی بنیاد پر کرے گی۔ چنانچہ زنا کا فروغ، سودی کاروبار کا استحکام اس پارلیمنٹ کا خاص وظیفہ ٹھہرتا ہے (جیسا کہ ہم حقوقِ نسواں بل میں دیکھتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے محض اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کو رد کیا ہے اور اکثریت کی پیروی کو ضلالت وگمراہی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝116﴾ (الانعام:۱۱۶)

''اور اس زمین والوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ اگر تم نے ان کی بات مانی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گے۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے

ہیں۔''

آیت کریمہ میں صرف اکثریت کو رد نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بارے میں یہ حقیقت بھی بیان کردی گئی کہ ان کے فیصلے محکم بنیادوں پر استوار نہیں ہوتے بلکہ وہ ظن وتخمین سے کام لیتے اور ہوا میں تیر چلاتے ہیں...... بھلا ایسے لوگ بھی ملت کی قیادت وسیادت کے لیے اہل ہو سکتے ہیں؟...... پھر اکثریت کو کسی ایک جگہ قرار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ہی عہد کو بار بار بدلتے رہتے ہیں اور یہ فساق وفجار کی خاص نشانی ہے۔ دیکھیے قرآن مجید میں کس خوبی سے اس بات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ارشاد ہے:

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝١٠٢﴾

(الاعراف:۱۰۲)

''اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی استواری نہیں پائی، ان میں سے اکثر بدعہد ہی نکلے''۔

دور نبوت اور دور صحابہ وتابعین میں بھی کبھی اکثریت کی بنیاد پر فیصلے نہیں کیے گئے۔ ذخیرۂ احادیث میں بھی ہمیں کوئی ایک حدیث نہیں ملتی جس میں اکثریت کے فکر ونظر اور فیصلوں کو سراہا گیا ہو اور اکثریت کو بطورِ اصول قبول کیا گیا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ عموماً اکثریت کا فلسفہ باطل، گمراہی اور فسق وفجور کے سوا کچھ نہیں۔

تقسیم اور پارٹی بازی

اسلام دین توحید ہے، وہ امت کو وحدت کا عقیدہ ونظریہ دیتا ہے، اسلام کے نزدیک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں وہ ایک جسم کی مانند ہیں، قرآن مجید نے مسلمانوں کو، خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، شرق میں رہتے ہوں یا غرب میں سب کو''امت واحدہ'' کا عقیدہ دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ (المؤمنون:۵۲)

''بے شک تمہاری امت ہی ایک امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے

ڈرتے رہو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"مثل المؤمنين فى توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكىٰ عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمىٰ۔"(رواہ مسلم)

''مسلمانوں کی مثال باہمی مودت ومرحمت اور محبت اور ہمدردی میں ایسی ہے جسے ایک جسم کی۔ اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔''

اسی کے ہم معنی صحیحین کی حدیث ہے:

"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا۔"

''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔''

ان آیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ وحدتِ امت، اتحاد واتفاقِ امت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کتنا اہم ہے۔ وحدتِ امت گویا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مصدر ہے اور جو شخص اس وحدت کو ختم کرنے کے درپے ہو اس کے لیے شدید وعیدیں ہیں۔

ایک طرف دین اسلام کا یہ حکم ہے دوسری طرف تقسیم، پارٹی بازی اور گروہ بندی جمہوری نظام کا بنیادی عنصر ہے۔ کامیاب جمہوریت وہی تصور کی جاتی ہے جہاں حزبِ اقتدار کے مقابلے میں ایک مضبوط حزبِ اختلاف بھی ہو۔ یہ حزب اختلاف ایک پارٹی پر مشتمل ہو سکتی ہے اور کئی پارٹیوں کا مجموعہ بھی۔ بعینہٖ یہی صورت اقتدار کی ہو سکتی ہے، ہر پارٹی کے اپنے نظریات اور اپنے اہداف ہوتے ہیں۔ جمہوری سسٹم میں حصہ لینے والی تمام جماعتیں حقوق کی سیاست کر رہی ہوتی ہیں۔ حقوق کی سیاست کا مطلب اغراض کی سیاست ہے مثلاً ایک قوم پرست جماعت محض اپنی قوم کے مفادات کی سیاست کرتی ہے وہ اپنے دائرۂ کار میں دوسری قوم کو شامل نہیں کرتی۔ لسانی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے لسانی گروہ کے لیے کام نہیں کرتی۔ فرقہ کی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقہ یا جماعت کے مفاد کے لیے

ہرگز کام نہیں کرتی۔ چوں کہ اغراض سب کی جدا جدا ہوتی ہیں اس لیے ہر چند افراد کا گروہ اپنی ایک جماعت بنا کر سرگرم ہو جاتا ہے، یوں در تقسیم در تقسیم کا یہ عمل بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آج ہم اس کے بھیانک نتائج کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں، سیکولر اور قوم پرست جماعتوں کی ہم بات نہیں کرتے علماء کی جماعتیں بھی کئی کئی گروہوں میں بٹ گئی ہیں۔ جمہوری سسٹم میں مسلسل شمولیت کی وجہ سے اہلِ دین کی قوت بکھر گئی، ان کا رعب اٹھ گیا، وہ اجتماعی موقف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی آواز اٹھاتے ہیں تو صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے، ان کے جائز مطالبات کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ فاسق و جابر حکمران اتنے جری ہو چکے ہیں کہ مسجدیں شہید کر دیں، معصوم طلبہ اور حیاء و عفت کی پیکر طالبات کا قتل عام کریں، مجاہدین کو تہ تیغ کریں، جہاد کو دہشت گردی قرار دیں، مجاہدین اسلام کو پکڑ پکڑ کر بگرام، گوانتانامو بے اور ملک کے کونے کونے میں قائم عقوبت خانوں اور اذیت گاہوں کو آباد کریں، انہیں کھلی چھوٹ ہے۔

جمہوری ریاست میں پارلیمنٹ کا کردار

پارلیمنٹ جمہوری ریاست کا وہ ادارہ ہے جہاں عوام ووٹ کے ذریعے اپنے نمائندوں کو بھیجتے ہیں تاکہ وہ ان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کے مفاد میں قانون سازی کریں۔ بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا ہے مگر اصلاً پارلیمنٹ سرمایہ داری کے نفاذ کا ادارہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اداروں کی اسی کے ذریعے نمو ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ میں وہی قانون سازی کی جاتی ہے جو سرمایہ دارانہ مذہب و عقیدہ سے مطابقت رکھتی ہو، اگر عوامی خواہش اس کے برعکس ہو تو اس کی مزاحمت کی جاتی ہے، بصورت دیگر اس پورے نظام کی بساط ہی لپیٹ دی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم صوبہ سرحد کی ایم ایم اے حکومت کے 2008-2002ء کے حسبہ بل کے ضمن میں دیکھتے ہیں یا جیسے الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی کامیابی کے باوجود پورے نظام کی بساط لپیٹ دی گئی۔ ارکانِ پارلیمنٹ مقنن یا قانون ساز ہوتے ہیں اور یہ قانون سازی مذہبِ سرمایہ داری کے نصابی صحیفے انسانی حقوق کے چارٹر کے دیئے گئے دائرے میں رہتے ہوئے ہوتی ہے۔ قرآن وسنت اور اجماعِ امت کو حوالہ نہیں بنایا جاتا، بلکہ قرآن وسنت کے علی الرغم قانون سازی ہوتی ہے۔

یوں دیکھا جائے تو حکم اور حکومت کے وہ تمام اختیارات جو اللہ رب العزت کو سزاوار ہیں

وہ ارکانِ پارلیمنٹ اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں۔حقوقِ نسواں بل،سود کے حق میں حکومت کے فیصلے،ٹرانس جینڈر ایکٹ، عائلی قوانین، اور کئی دیگر ظالمانہ استبدادی قوانین ارکانِ پارلیمنٹ کی اسی الوہیت کے مظہر ہیں۔قرآن کریم اور سنت میں اس قسم کی قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں خصوصاً جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور پھر مقنن بھی بن بیٹھے، یہ ایمان واسلام کے ساتھ بدترین مذاق ہے،قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

۱۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ﴾(یوسف ۱۲:۴۰)

''اختیارواقتدارصرف اللہ ہی کا ہے۔اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو''۔

۲۔ ﴿اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾ (آل عمران ۳:۱۵۴)

''تحقیق سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے''

ایک طرف قرآن حکیم کی آیاتِ محکمات ہیں دوسری طرف ارکان پارلیمنٹ کا اختیار رہے کہ وہ جو چاہیں قانون بنا دیں خواہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹ ہماری نظر میں:

☆ اللہ رب العالمین کی بجائے کتاب اللہ کے استرداد کا مرکز ہے۔

☆ انسانوں کی حاکمیتِ اعلیٰ اور اقتدارِ اعلیٰ کا مظہر ہے۔

☆ کافرانہ ومشرکانہ اقتدار کا منبع ہے۔

☆ فحاشی وعریانی، زناوشراب اور اباحیت زدہ معاشرے کے تحفظ اور فروغ کا ادارہ ہے۔

☆ سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کی ادارتی صف بندی کرنے کا مرکز ہے۔

یہ ہم نے جمہوریت کے بارے میں چند اصولی باتیں ذکر کی ہیں اور سرمایہ دارانہ مذہب کے چند اساسی نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ابھی جمہوری ریاست کی عدلیہ کا کردار زیر بحث نہیں لایا جاسکا جو سرمایہ دارانہ عدل کے قیام کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ

جب سرمایہ دارانہ عدل کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد ظلم ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ سرمایہ دارانہ مذہب جس چیز کو عدل تصور کرتا ہے اسلام کے نزدیک وہ عین ظلم ہے جیسے نظریۂ آزادی اور جس چیز کو اسلام عدل قرار دیتا ہے سرمایہ دارانہ مذہب اسے ظلم قرار دیتا ہے مثلاً عبدیت، بندگیٔ الٰہ مثلاً اسلامی احکام یا جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کرنا، شراب پینے پر کوڑے لگانا وغیرہ۔

سرِ دست جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے اس کے مطابق سرمایہ داری جمہوریت، انسانی حقوق کا چارٹر کفرِ مطلق، شرک، ضلالت وگمراہی، بغاوتِ الٰہی اور بدترین ظلم وتعدی کا مجموعہ ہے۔ ہم نے اس نظام کو اسی طرح کفر مطلق کہا ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، اور سکھ مت کفرِ مطلق ہیں۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد اب ہمارے لیے آسان ہو گیا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی خامہ فرمائی کر سکیں۔ (جاری ہے)

دینی مدارس کے طلبہ کے لیے یونیورسٹی تعلیم کی رہنمائی

مدرسہ ڈاٹ پی کے (Madrassa.pk) کا شعبہ اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی تعلیم کے حوالے سے آپ کو مکمل راہنمائی فراہم کرے گا:

* پاکستانی وفاقوں کی اسناد کے معادلہ کا طریقہ کار
* پاکستان اور بیرون پاکستان کی یونیورسٹیوں میں داخلہ کی تاریخیں اور طریقہ کار
* سکالرشپ اداروں کے بارے معلومات * شہادۃ العالمیہ کی بنیاد پر ملنے والے مواقع
* بی ایس اسلامک سٹڈیز ویڈیو لیکچرز

اس کے علاوہ اور وہ تمام تر معلومات جو آپ کو یونیورسٹی تعلیم کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ ہمارا یہ پلیٹ فارم آپ کو بالکل مفت تمام تر مستند معلومات حشو وزوائد سے خالی فراہم کرے گا۔

گروپ جوائن کیجیے: https://chat.whatsapp.com/Lnpxcsi5tBr879EbQz1ru7

چینل فالو کیجیے: https://whatsapp.com/channel/0029VaMx4zmA89MaNLPWjV3t

مدرسہ ڈاٹ پی کے (Madrassa.pk)

ملی مجلس شرعی

اسلام آباد کی مساجد و مدارس پر حکومتی کنٹرول

فیٹف کے پاس کردہ وقف قوانین کے نفاذ کی مذمت

ملی مجلس شرعی، جو سارے دینی مکاتب فکر کا ایک مشترکہ علمی پلیٹ فارم ہے، اس کے علماء کرام نے اپنے ایک بیان میں وفاقی حکومت کے اس فیصلے کی مذمت کی ہے جس میں حکومت نے ۲۰۲۳ء میں فیٹف (FATF) کے دباؤ میں آ کر پاس کردہ وقف قوانین کا اسلام آباد کی مساجد و مدارس پر اُس کا نفاذ اور اطلاق کر دیا ہے جس سے سارے وقف ادارے حکومتی کنٹرول میں چلے گئے ہیں۔ ساری مساجد کمیٹیاں ختم کر دی گئی ہیں (یاد رہے کہ بہت سے دینی مدارس مساجد ہی میں قائم ہیں) اور نئی کمیٹیاں حکومتی نظام کے تحت بنیں گی۔ کوئی خطیب اب اپنی مرضی کا خطبہ نہیں دے سکے گا وغیرہ وغیرہ۔

علماء کرام نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ جیسے پہلے فیٹف کا قانون صرف اسلام آباد کے وفاقی علاقے کے لیے بنا تھا اور بعد میں صوبوں میں بھی اسی طرح کی قانون سازی کر دی گئی، اب بھی خدشہ ہے کہ اسلام آباد کے بعد سارے صوبوں میں یہ قانون نافذ کر دیا جائے گا۔ علماء کرام نے کہا کہ اس طرح سارے ملک کی مساجد اور دینی مدارس حکومتی کنٹرول میں چلے جائیں گے اور ان میں حکومتی مداخلت کو روکنا ممکن نہیں رہے گا۔ علماء کرام نے سارے ملک کی مساجد کے نگران حضرات، آئمہ وخطباء، دینی مدارس کے وفاقوں اور سارے مکاتب فکر کے علماء کرام سے درخواست کی ہے کہ وہ حکومت کے اس مؤقف کی مذمت کریں اور حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ فیٹف کے غیر منصفانہ اور غیر اسلامی قوانین کے نفاذ سے احتراز کرے۔

اس نقطۂ نظر کا اظہار مجلس کے صدر مولانا زاہد الراشدی، جنرل سیکرٹری مولانا ڈاکٹر محمد امین، مولانا عبدالرؤف ملک، مولانا سردار محمد خان لغاری، مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان، مولانا عبدالرؤف فاروقی، حافظ محمد عمران طحاوی، حاجی عبداللطیف چیمہ، مولانا غضنفر عزیز، حافظ ڈاکٹر محمد سلیم، مولانا عبداللہ مدنی، مولانا قاری محمد عثمان رمضان، صاحبزادہ محمد فاروق قادری، علامہ توقیر عباس، مولانا مفتی محمد عمران انور نظامی، مولانا حافظ نعمان حامد اور دیگر علماء کرام نے کیا۔